مکتبۂ نورِ رسالت
کالج روڈ، نوشہرہ (ضلع خوشاب)، پنجاب

سلسلہ مطبوعات : ۲

نام کتاب : حقیقتِ ابدال

مصنف : سید احمد سعید ہمدانی

ناشر : مکتبۂ ہمدانیہ شعبۂ تصنیف و تالیف مجلس دعوۃ الامیرؒ
(بیاد حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی
المعروف بہ شاہِ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ)

تعداد : ۵۰۰

پتہ : مکتبۂ نورِ رسالتؐ ۔ کالج روڈ ۔ نوشہرہ (ضلع خوشاب)
پنجاب ۔ پاکستان

قیمت : ۲۵ روپے

سنہ ۱۴۰۳ھ بہ ۱۹۸۳ء

مکتبۂ ہمدانیہ

فہرست

صفحہ

علوم اولیاء اللہ میں ذکرِ ابدال

ابدالوں کے مناصب

"حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ دنیا میں ہے، یہ سب پرتوِ باطنی ہے۔"

"........ اور یہ تم کیا کہتے ہو کہ جو ہونا ہوتا ہے، وہ ہو کر رہتا ہے، مقدر ٹل نہیں سکتا ہے ــــ مقدر چیز ہی کیا ہے اور ہونا کس شے کا نام ہے؟ یہ سب کچھ اہل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اُن کی توجہ پر سارے دار و مدار ہیں۔ الٹے کو سیدھا اور سیدھے کو الٹا کر سکتے ہیں اور کیا ہے اور کرتے رہتے ہیں۔"

حضرت حاجی عبداللہ شاہ رحمتہ اللہ علیہ
(بادشاہ غوث و قطب)

فرمایا:

اہلِ خدمات مقلب القلوب ہوتے ہیں۔ دِل بدل دیتے ہیں۔

فرمایا:

یہ لوگ اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتے، ورنہ فیض چھن جانے کا خطرہ رہتا ہے اور سزا بھی ملتی ہے۔

حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ
رحمۃ اللہ علیہ

دیباچہ

انسان کا شیوۂ جدت ہر دور میں ذوقِ نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ذہن و قلب سے سراہا جاتا ہے۔ پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی صاحب نے بھی جدت کا ایک شاہکار منظرِ عام پر ظاہر کرنے کی جرأت رندانہ کی ہے۔ جو "حقیقتِ ابدال" کے عنوان سے حاضرین کے پیش خدمت ہے ۔حقیقت ابدال' پر بہت سے اصفیاء نے اپنے اظہارِ خیال سے عوام کو نوازا ہے۔ مگر ان کا مطالعہ کرنے والوں کی تشنگی کم ہونے کی بجائے اور بھی زیادہ بڑھ جاتی رہی ہے۔ اب صاحبِ موصوف نے اپنی ٹھوس محنت، کد و کاوش سے چند خصوصیاتِ ابدال و قطب' کو طشت از بام کیا ہے۔ "حقیقت ابدال" کا تعلق چونکہ مشاہدے سے ہی نہیں، بلکہ تجربہ سے وابستہ ہے۔ اس لئے اصفیاء حضرات نے اپنے مشاہدے و تجربات کے مطابق صرف اتنا ہی بیان کرنے پر موقوف رہے جتنا کہ اُن نے عوام الناس کے لئے ضروری سمجھا۔ تاکہ وہ ان کے بیان سے فیضیاب ہو سکیں۔ اور صراطِ مستقیم سے بھٹک نہ جائیں۔

پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی نے پرانے اصفیاء کے ان تمام بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک سلک میں پرو کر ایک خوشنما پیارا ہار بنا کر ہمارے سامنے رکھ دیا ہے جس کی شکل و صورت نہایت ہی دلپزیر اور دل کی گہرائیوں میں اُتر جانے کی خاصیت رکھتی ہے۔ اسرارِ ابدال کتب میں کچھ ایسے بھی اسرار شامل ہیں جو کئی ایک حضرات پر کھل چکے ہیں۔ اور چند ایک ایسے بھی ہیں جنہیں شاید ابھی تک بیان کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔ اس نکتہ کو اہلِ نظر ہی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ صاحبِ موصوف کی کاوش، ہمت اور جذبات بے شک و شبہ قابلِ قدر ہیں۔ کہ انہوں نے واقعی حقِ تحقیق ادا کیا ہے اور انتہائی جانفشانی سے لامحدود علمِ حقیقتِ ابدال کو یکجا کر کے ہمارے مفاد میں پیش کر دیا ہے۔ قرآن و حدیث

کے حوالے، بزرگوں کے مکاشفات۔ دلائل و امثال اہلِ کمال بیان کرتے ہوئے کتب ہذا میں گوناگوں رنگوں سے گلکاری کر دی ہے جو قلب و روح کو فرحت پہنچاتے ہیں۔ آپ نے بجا طور پہ واضح کر دیا ہے کہ ہر زمانے میں ایک بزرگ اس مقام (غوث) پر ہوتا ہے اور وہ گوناگوں طریقوں سے کارگاہِ حیات میں لوگوں کا مددگار و معاون ہوتا ہے۔ ایسی ہستی کو سرّ قدر کا علم دیا جاتا ہے تاکہ مشیت ایزدی کو عملی جامہ پہنا سکے۔ جس کی خاطر اس کو خاص قوتیں عطا کی جاتی ہیں۔ ایسے حضرات عموماً عام نگاہوں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ مگر صرف ان اشخاص پر ظاہر ہوتے ہیں۔ جن کو ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کسی طریقہ سے مطلع کر دیتا ہے اور اُن کو ظاہر ہونے کا حکم بھی ہوتا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حضرات شریعت ظاہری کے پابند ہوتے ہیں۔ مگر کئی مواقع ایسے بھی ان کی زندگی میں آتے ہیں کہ باطنی شریعت کے احکامات ان پر نافذ کر دیئے جاتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت خضرؑ کے متعلق ذکر آتا ہے۔ یہ حضرات اپنی ذاتی خواہشات کو مکمل طور پر ختم کر چکے ہوتے ہیں۔ ان کے احاطہ کار کردگی میں افراد سے لے کر ملکوں کے معاملات اور ان کے تغیر و تبدّل کرنا شامل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ اپنی خواہش سے کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتے۔ البتہ کبھی کبھی اللہ تعالےٰ کے روبرو بواسطہ نبی اکرم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص، ملک اور قوم کے دعا گو ہوتے ہیں جو عموماً قبول ہوتی ہے۔ یہ حضرات یونہی دعا نہیں مانگتے بلکہ ان کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے اس شخص، ملک یا قوم کے متعلق خوب جان لیتے ہیں اور اپنے ظاہری و باطنی مشاہدہ سے معلومات صحیحہ حاصل کر چکے ہوتے ہیں۔ ظالم و مظلوم میں فرق دیکھ لیتے ہیں۔ تب جا کر کہیں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کی ہمت کرتے ہیں۔ تاکہ ظلم کو ختم کیا جا سکے۔ اور امن و امان قائم کرنے کی راہ ہموار کی جائے۔

غوث و ابدال کا نظام بہت وسیع ہے اور تمام کائنات میں اس کا وجود موجود ہے۔ جو ہر کس و ناقص کی عقل سے بعید ہے۔ اخیار، ابدال، ابرار، نجباء، اوتاد، نقباء اور قطب و غوث۔ ان کی تعداد حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں بیان کی ہے۔ دوسرے روحانی شہسواروں نے مختلف تعداد بیان کی ہے۔ ان کی تعداد میں تبدیلی کے امکانات ہو جاتے ہیں۔ جو آبادی کی وجہ سے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بہر حال نظام قائم ہے اور یہ نظام مخفی طور پہ برسرِ عمل ہے۔

کچھ بزرگوں کی زبان سے سننے میں آیا ہے کہ جس طرح ہندوؤں نے دنیا کے ممالک کی تقسیم سات حصّوں میں کی تھی قریب قریب اسی نہج پر یہ روحانی نظام کارفرما ہے۔ حالات و واقعات کے مطابق خطوں کی تقسیم بدلتی رہتی ہے اور اقطاب کا دائرہ اختیار اسی کے مطابق ہوتا جاتا ہے۔ روحانی تنظیمیں ان سب کی ممد و معاون ہوتی ہیں۔ اور آخری فیصلے کہیں اور جگہ ہوتے ہیں۔ یہ بزرگ حضرات ان سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ جو اوپر کی سطح پر متعین ہوتے ہیں۔ اس نظام کے متعلق پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی صاحب نے بڑی محنت و کاوش سے حقائق اکٹھے کئے ہیں کہ قارئین کم از کم معلومات کی سطح پر ہی بہرہ ور ہو سکیں۔ صاحبِ موصوف پر کتب کے مطالعہ اور نظرِ عمیق رکھنے والے اہلِ نظر بزرگوں سے ملاقاتوں کے دوران میں جو کچھ راز منکشف ہوئے ہیں اُن کو آسان اور دلکش انداز سے اس کتاب میں بیان کر کے انہوں نے ہم پر احسان گراں کیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ روحانی مینار اللہ تعالےٰ کے عطا کردہ انداز سے مخلوقات کو فیضیاب کرنے میں نہ تو کوتاہی کر سکتے ہیں اور نہ ہی پیچھے ہٹتے ہیں۔ ان کا دائرہ اختیار اپنی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ان کا تصرف بہت زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ ویسے تو ہر طرح کے ولی اللہ بھی تصرف کرتے ہیں۔ مگر ان کا احاطۂ کارکردگی وسیع نہیں ہوتا۔ جیسا کہ مصنّف کتاب ہذا نے ذکر کیا ہے کہ ان کے اپنے رابطے ہوتے ہیں۔ اور ان کی ہر دیوان میں حاضری ہوتی ہے، جس میں مختلف امور پر گفت و شنید کے بعد فیصلے کئے جاتے ہیں۔ معاملات کو اس طریقے سے سلجھایا جاتا ہے جو خالقِ ارض و سما کی حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے۔

کتاب تحریر کرنے میں عام فہم زبان استعمال کی گئی ہے۔ مگر ان کے کئی جملوں میں بین السطور کچھ راز بھی ضرور پنہاں ہیں جو صاحبِ نظر سمجھ سکتے ہیں۔ اسلوبِ بیان بہت ہی پیارا ہے اور کڑی سے کڑی ملاتے جاتے ہیں کہ پڑھنے والے کو سمجھنے کے لئے کسی قسم کی دِقّت پیش نہ آئے۔ "ایں سعادت بزورِ بازو نیست"

جیسا کہ پروفیسر ہمدانی صاحب نے بیان کیا ہے کہ ابدالوں کا کام عمومی طور پر عامۂ خلائق کی بہبود سے وابستہ ہے اور خاص طور پر اُمّت محمدیہؐ کی فلاح ان کا مقصد ہے۔ اس لئے وہ اُمّت کے لئے دُعا کرنے والے سے اُنس پیدا کر لیتے ہیں۔

مگر جب اس امت کے پیروکار ایک حد سے تجاوز کر جانے میں فخر محسوس کرتے ہیں تو ان ہستیوں کے تیور بدل جاتے ہیں۔ جس سے نقصان کی توقع ہو سکتی ہے۔ اور یہ نقصان حکماء کے اپریشن کرنے کے مصداق ہوتا ہے تاکہ فرد یا قوم سے اس زہریلے مادے کو نکال کر جسم کو پاک و صاف کیا جائے۔

اللہ جل شانہٗ نے تخلیق آدم سے آج تک اور آج سے روزِ قیامت تک کا جو نقشہ تیار کر رکھا ہے اسی کے مطابق اس عالمِ فانی میں عمل کار فرما ہے۔ انسان اپنی جدوجہد کرتا ہے اور اللہ اپنا نظام قائم رکھتے ہوئے چلاتا ہے۔ مَکَرُوا وَمَکَرَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ ۝ (لوگ اپنی تجویزیں بناتے اور چلاتے ہیں اللہ (بھی) اپنی تجویزیں چلاتا ہے مگر اللہ کی تجویزیں ہر مخلوق کے لئے خیر و بہتری پر مبنی ہوتی ہیں) اس کو نافذ کرنے کے لئے فرشتے کام کرتے ہیں اور یہ سلسلہ اولیاء اللہ یعنی ابدال و اوتاد۔ نجباء۔ اقطاب و غوث بھی اسی کارِ خیر میں شامل ہوتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ ہم سب کو نیکی کے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان حضرات کی نگہبانی نصیب کرے۔ آمین !!

عبدالرؤف لوتھر

۲؍ فروری ۱۹۸۶ء

لاہور

ابتدائیہ: عرض حال

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

(سب تعریف اللہ کو ہے جو صاحب سارے جہان کا، بہت مہربان نہایت رحم والا۔)

وقال اللّٰہ تعالیٰ:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام: ۵۴)

(تمہارے رب نے اپنے اوپر مہر کرنی لکھی ہے)

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء: ۱۰۷)

(اور ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر رحمت واسطے عالموں کے)

وفی القصیدہ:

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ
نَبِيُّنَا الْاٰمِرُ النَّاهِيْ فَلَا اَحَدٌ
اَبَرَّ فِيْ قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمِ
هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِيْ تُرْجٰى شَفَاعَتُهُ
لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحَمِ

(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت اور جن و انس کے سردار ہیں

اور عرب و عجم دونوں فریقوں کے سردار، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے ہمارے نبی، "ہاں" اور "نہیں" بولنے میں اُن سا سچا کوئی نہیں۔ وہی اللہ کے ایسے حبیب ہیں کہ ان کی شفاعت کی امید ہے۔ ہر ایک خوف کے وقت جو آنے والے خوف ہیں)

صَلَّ اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ •

امّا بعد:

چند سال ہوتے ہیں۔ اس فقیر نے دو بزرگوں کے حالات پر مشتمل ایک کتاب لکھی جس کا نام "تذکرۂ غوث و قطب" رکھا۔ وجہ تسمیہ صرف اس قدر تھی کہ اس سے بہتر اور کوئی نام اُس وقت سوجھا نہیں تھا اور پھر میری نظر میں وہ دونو بزرگ غوث و قطب کے مراتب کے حامل تھے۔

بہت سے حضرات نے غوث و قطب اور اس قبیل یا طبقے کے اولیاء اللہ کے متعلق جاننا چاہا جنہیں ابدال کہتے ہیں۔ اُن کی تمنا تھی کہ ان کے مناصب و فرائض کے متعلق جہاں تک ممکن ہو، علمی طور پر آگاہ کیا جائے۔

پرانے بزرگوں نے اس طبقے کے ولیوں کا مجمل طور پر اپنی کتب میں ذکر ضرور کیا ہے اور بعض نے بہت ہی مختصر رسائل بھی لکھے۔ مگر کسی نے کچھ پہلوؤں کو اُجاگر کیا اور دوسروں نے کچھ اور خصوصیات نمایاں کیں۔ دراصل جو کچھ اُنہوں نے لکھا، وہ ہر ایک کے اپنے اپنے مشاہدے اور تجربے کا ماحصل تھا۔ ایسا کوئی رسالہ نہ تھا جس میں ان سب مشاہدات کو یکجا کر کے معلومات کو کسی قدر مربوط صورت میں پیش کیا جائے۔ یہ رسالہ اسی امر کے لیے کوشش کا ایک مظہر ہے۔

ممکن ہے۔ بعض حضرات اسے صوفیاء و اولیاء اللہ کے اسرار کا بے جا اظہار بھی

خیال فرمائیں۔ مگر یہ سارے وہی اسرار ہیں جو دوسروں پر کھل چکے ہیں اور بیان بھی کئے جا چکے ہیں۔ یہاں تو صرف اُن اسرار کو یکجا کر کے مرتب و محفوظ کر دیا گیا ہے۔ یہ فقیر اگر اس سے زیادہ کچھ کرتا تو شاید ملامت کا مورد ٹھہرتا۔

ایک اور بات یہ ہے کہ کرامات کے بیان سے صوفیاء کے تذکرے پہلے سے پُر ہیں۔ یہاں کسی نکتے یا خصوصیت کی وضاحت کے لئے اگر خوارق عادت واقعات کا ذکر کیا گیا ہے تو اُن کے انتخاب و بیان میں کوشش یہی رہی ہے کہ انہیں تحقیقی لحاظ سے صحیح مانا جا سکے۔ یعنی روایت کے لحاظ سے خواہ وہ تحریری شکل میں ہوں یا نہیں لیکن انہیں سنانے یا اُن کے ماننے والے ایسے ہوں کہ اس علم کے اہل لوگ اُنہیں درست تسلیم کر سکیں۔

جہاں کہیں آیات قرآنی کا ترجمہ لکھا ہے، وہاں اس فقیر نے حضرت شاہ عبد القادر دہلویؒ کے ترجمہ کو ترجیح دی ہے جو ولی اللّٰہی خاندانؒ میں قصر کی وجہ سے ممتاز تھے[1]۔ البتہ اس قدر ترمیم کی جسارت کی ہے کہ ان کے جملوں کی بناوٹ کو حال کے محاورے میں بدل کر لکھا ہے تاکہ ترجمہ بھی صحیح ہو اور پڑھنے والے کو سمجھنے میں بھی آسانی رہے۔

تمام بیان میں اختصار کو ملحوظ رکھا گیا ہے اور اِن اسرار کے بیان میں یہی زیبا و مناسب تھا۔

تلقینِ درسِ اہل نظر یک اشارت است
کردم اشارتے و مکرّر نمی کنم

سیّد احمد سعید ہمدانی

نوشہرہ ضلع خوشاب پنجاب ۷ ستمبر ۱۹۸۲ء / ۲۹ ذیقعد ۱۴۰۲ھ

---

[1] بیان کیا گیا ہے: "شاہ صاحبؒ بڑے صاحب کشف تھے اور اس خاندان میں آپکا کشف سب سے بڑھا ہوا تھا...... شاہ عبد القادر صاحبؒ کا معمول تھا کہ کسی کی تعظیم نہ دیتے تھے مگر سیّد کی تعظیم دیتے تھے خواہ سنی ہو یا شیعہ...... شاہ عبد القادر صاحبؒ سے کرامات کا اس زور و شور سے صدور ہوتا تھا جیسے خزاں کے زمانہ میں پت جھڑ ہو یا بارش کے وقت بوندیں گریں"

هُوَ اللّٰهُ اَحَد اَللّٰهُ الصَّمَدُ

اللہ کی ذات اَحَد و صَمَد ہے۔ صَمَد اُس سردار اور آقا کو کہتے ہیں جس کی طرف حاجتوں اور رغبتوں کے لیئے رجوع کیا جاتا ہے۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ الصَّمَد کی شرح میں فرماتے ہیں:

"صمد وہ سَیّد ہے جو سیادت میں کامل ہو۔ وہ مالکِ شرف ہے جو شرف میں کامل ہو۔ وہ عظیم ہے جو عظمت میں کامل ہو۔ صمد وہ ہے جو جملہ شرف وسیادت میں کامل ہو۔ لہٰذا اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی بھی صَمَد ہونے کی شان نہیں رکھتا...... صمد میں معنئ جامعیت پائے جاتے ہیں"[1]

وہ ہر شے پر قادر ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے یَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ بِقُدْرَتِهٖ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ بِعِزَّتِهٖ (اللہ جو کچھ چاہے اپنی قدرت کے ساتھ کرتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے جو کچھ ارادہ کرے اپنی عزت کے ساتھ) لیکن اس کی مشیّت اور حکم میں حکمت ہوتی ہے کیونکہ وہ حکیم ہے۔ کوئی تنکا بھی اگر اپنی جگہ سے ٹلتا ہے اور ایک ذرہ بھی اپنی جگہ سے ہٹتا ہے تو ان کی یہ حرکت الٰہی مصلحت و حکمت سے خالی نہیں ہوتی۔ انفس و آفاق کے مطالعہ سے یہ حکمتیں کہیں انسانی سمجھ میں آتی ہیں اور کہیں نہیں بھی آتیں۔ لیکن کارگاہِ تقدیر میں مشیّت ازروئے حکمت بدستور کام کرتی رہتی ہے۔

ظاہری و باطنی وسائط

اس کارگاہ میں تقدیر کو ظہور میں لانے کے لئے وسائط واسباب کی بھی کمی نہیں۔ یہ بھی خود اُسی کے تخلیق کردہ ہیں وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ (۷۴: ۳۱) "اور تیرے رب کے لشکر کوئی نہیں جانتا مگر

---

[1] شرح اسمائے حسنیٰ از قاضی محمد سلیمان منصور پوری ص۱۳۳

وہی آپ"۔ پھر جیسے اس پوری کائنات کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، اسی طرح ان وسائط کا بھی ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ظاہر بینوں کی نظریں صرف ظاہر پر پڑتی ہیں اور اہل باطن اپنی بصیرت سے حالات و واقعات کے پیچھے اصل محرکات کو پہچان کر اللہ کی مشیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مسبب الاسباب اللہ ہے۔ جو صمد ہے، حکیم ہے، خبیر ہے اور لطیف ہے کہ بڑے نازک اور باریک راستوں سے اپنی تقدیر کو ظہور میں لاتا ہے۔ پھر ظاہر بھی وہی ہے اور باطن بھی وہی۔ اُس نے اگر ظاہر میں انسان کو مجبور و مختار بنایا تو اُس کی مجبوری اور اختیار کی اصل حکمت بھی صرف وہی جانتا ہے یا اپنے ان عارفوں کو اس کی معرفت عطا کرتا ہے جن کی عقول اُس کی متحمل ہو سکتی ہیں۔

سرِ قدر کا تعلق باطن سے ہے:

یہ نظام کائنات اگر ریاضی و اقلیدس کے قاعدوں کی طرح درست اور بجا طور پر چل رہا ہے تو باطن میں اُس کی تقدیر بھی اسی طرح کارفرما ہے۔ ظاہر میں جو باتیں ہمیں اس بارے میں معلوم ہوتی ہیں وہ کبھی غلط ہوتی ہیں اور کبھی ٹھیک۔ اور جہاں تک باطن کا تعلق ہے تو اس عالم میں تقدیر کا راز صرف عارفوں کے علم میں آتا ہے۔

ظاہر میں تو یہی نظر آتا ہے کہ زلزلے، سیلاب، حادثات، حکومتوں کا ردّ و بدل یہ سب کچھ ظاہری اور طبعی حالات کا نتیجہ ہے مگر آسمانی کتابیں تو انہیں باطن میں براہ راست الٰہی ہدایت کے تابع قرار دے رہی ہیں۔ ظاہر و باطن کی وسعتوں کی حدود کو کون دریافت کر سکتا ہے اور باطن میں ارادہ و مشیتِ الٰہی کا راز کون بتا سکتا ہے؟ ہر ایک نے اتنا ہی بتایا جتنا اللہ نے اُسے علم دیا تھا یا جس قدر اُسے اللہ کی طرف سے بتانے کا اذن ملا تھا۔

انسانی معاشرے میں ظاہر بین اس بارے میں سب کچھ جاننے کا دعویٰ کرتے

ہیں کیونکہ اُن کے خیال میں اُس کی تشکیل انہی کے ہاتھوں عمل میں آ رہی ہے۔ اس طرح معاشرے کے رویّہ یا تاریخ کے عمل سے جو قوتیں ظاہر ہوتی ہیں، اُن کے نزدیک وہی تقدیر کی خالق ہیں۔ گویا اُن کے زعم میں سِرِّ قدر کا تعلق امرِ الٰہی سے نہیں بلکہ صرف اسی مادی عالمِ اسباب سے ہے۔ ان کے خیال کے مطابق یہی عالم تقدیر کا خالق بھی ہے اور اُس کی مخلوق بھی۔ اُن کے وہم و گمان کی رو سے تقدیر کا راز بس یہی ہے۔ مگر آسمانی کتابیں سِرِّ قدر کو اللہ کی ذات و صفات سے متعلق بتاتی ہیں اور قرآن کہتا ہے کہ اس بھید کو سمجھنا یوں آسان نہیں کہ کُلَّ یَوۡمٍ ھُوَ فِیۡ شَاۡنٍ کی رُو سے ہر روز بلکہ ہر لمحہ وہ ایک نئی حالت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ اس جہت سے یہ سِرِّ قدر تو ایک لامحدود نظامِ مشیّت سے متعلق ہے جس کا علم صرف اُسی کو ہے جب کہ ہمارے لئے عالمِ تکوین بھی ایک مُعمّہ ہے اور اُس کے امور و اسباب پر بھی اسرار کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ کہیں سے کچھ پردہ سرکایا گیا ہے تو ہمیں کچھ حقیقتِ حال کا پتہ چل گیا ورنہ بات یہیں تک رہتی ہے:

علم کیا علم کی حقیقت کیا
جیسی جس کے گمان میں آئی

انسان جو کچھ کرتے ہیں اور جو کچھ ان پر بیت جاتی ہے، ہمارے لئے تو اُسی کا احاطہ کرنا مشکل ہے۔ بے شمار اسباب و علل ظاہر و باطن میں سرگرمِ کار ہیں۔ باطن تو رہا ایک طرف، ظاہری عالمِ اسباب کا احاطہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ باطن کے مطالعہ و مشاہدہ کے لئے تو ویسے بھی ایک الگ نظر درکار ہے جو کسی کسی کے پاس ہوتی ہے اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں رَاسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ کہا گیا ہے۔

رحمتِ عام کے وسائط

جیسا کہ ذکر ہوا، سِرِّ قدر کا علم تو لامحدود ہے لیکن قرآن مجید میں کچھ وسائط کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور

اللہ تعالٰی نے بتایا ہے کہ اپنی رحمت کو عام کرنے کے لئے اُس نے کچھ کارکن اِس کی خاطر مخصوص کر رکھے ہیں اور وہ دن رات اس میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ کے امر کو جاری بھی کرتے ہیں اور اللہ کے امر سے بچاتے بھی ہیں۔ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (الرعد: ۱۱)

(انسان کے آگے پیچھے پہرہ دار لگے ہوئے ہیں جو اُسے اللہ کے امر سے بچائے رکھتے ہیں)

ابدال اور سِرِّ قدر

ہمیں معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کام کیسے ہو گیا یا اس کے پیچھے کیا محرک تھا، مگر اہل باطن محرکات کو جانتے ہیں اور اُس کی حکمتوں اور اس کے بارے میں اللہ کی مشیت سے بھی واقف ہیں۔ جو اللہ کے بندے اس نظام کی کاروائی پر مامور و متعیّن ہیں۔ انہیں عام طور پر ابدال کہا جاتا ہے[1]۔ یہ اُس کے حکم سے اس دنیا میں تکوینی امور کے بندوبست کے لئے مقرر ہیں اور خفیہ طور پر اپنی ودیعت شدہ قوتوں کے ساتھ کام میں مصروف رہتے ہیں۔

---

[1] کہا جاتا ہے کہ انہیں ابدال اِن کی صورتوں کی تبدیلی کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ یہ اولیاء اللہ صورتِ حال کے مطابق بہروپ بدل کر خدمات سرانجام دیتے ہیں۔ اصطلاحات صوفیہ مرتبہ حضرت خواجہ شاہ محمد عبد الصمد چشتی میں لکھا ہے: "ابدال جمع بدل جن کو بُدَلاء بھی کہتے ہیں۔ یہ سات اولیاء اللہ ہیں۔ جن کے انتظام میں ہفت اقلیم ہے اور لبسبب لطافت کے جس عنصر اور جس شکل کے ساتھ چاہیں، صورت بدل لیتے ہیں اور سفر کرتے ہیں اور ایک جسد اپنی صورت کا اس جگہ پر چھوڑ دیتے ہیں جسے کوئی نہیں پہچان سکتا کہ انہوں نے اس جگہ سے سفر کیا ہے یا نہیں۔ اسی سبب سے ان کو ابدال کہتے ہیں اور مطالب رشیدیہ میں بحوالہ حدیث مرفوع ابدال کی تعداد چالیس لکھی ہے"۔

یہ ابدال سرِّ قدر کے آلۂ کار ہیں اور ان کا علم صرف انہی سے مخصوص ہوتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اللہ کسی کو کسی قدر اس میں شریک فرما دے۔

قرآن وحدیث اور علوم اولیاء اللہ میں زمرۂ ابدال کا تذکرہ ملتا ہے اور یہ اللہ کی مشیت کے اُن بے شمار وسائط میں سے ایک طبقہ ہے جو عالم تکوین پر اثر انداز ہو رہا ہے یا اس میں اس کے اذن سے دخیل ہے۔

قرآن مجید میں ایک بزرگ و برتر شخص کا جسے عام طور پر قطب الزمان، قطب الاقطاب یا غوث کہا جاتا ہے ذکر ملتا ہے اس مرتبہ کا شخص زمرۂ ابدال میں بلند ترین مقام پر فائز ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں غوث یا قطب الزمان کا ذکر

سورۂ کہف میں موسیٰؑ و خضرؑ کا واقعہ یوں بیان کیا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ○ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ○ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَاۤ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ عَجَبًا ○ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ○ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ○ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ○ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ○ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ

بِهٖ خُبْرًا ○ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ
اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ○ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ
عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى
اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ
اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ○ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ
تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ
وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ○ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى
اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ
لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ○ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ
صَبْرًا ○ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ
قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ○ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ
اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا
جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ
عَلَيْهِ اَجْرًا ○ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ
بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ○ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ
لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ
وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ○ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ
اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ○ فَاَرَدْنَآ اَنْ
يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ○ وَاَمَّا
الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ
كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ ○

اَنۡ یَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسۡتَخۡرِجَا كَنۡزَهُمَا ۖ٭ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلۡتُهٗ عَنۡ اَمۡرِیۡ ؕ ذٰلِكَ تَاۡوِیۡلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعۡ عَّلَیۡهِ صَبۡرًا (۶۰-۸۲)

ترجمہ: اور جب موسٰی نے اپنے جوان کو کہا: میں نہ ہٹوں گا جب تک دو دریا کے ملاپ تک نہ پہنچوں یا قرنوں چلتا جاؤں ○ پھر جب دو دریا کے ملاپ تک پہنچے، اپنی مچھلی بھول گئے۔ پھر اُس نے دریا میں سرنگ بنا کر اپنی راہ لی ○ پھر جب آگے چلے، مُوسٰی نے اپنے جوان کو کہا: ہمارے پاس ہمارا کھانا لا، ہم نے اپنے اس سفر میں تکلیف پائی ہے ○ وہ بولا: تو نے دیکھا جب ہم نے اس پتھر کے پاس جگہ پکڑی سو میں مچھلی بھول گیا اور یہ مجھ کو شیطان نے ہی بھُلا دیا کہ اُس کا ذکر کروں اور وہ دریا میں عجب طرح اپنی راہ کر گئی ○ کہا: یہی ہے جو ہم چاہتے تھے۔ پھر اپنے پیر پہچانتے اُلٹے پھرے ○ پھر ہمارے بندوں میں کا ایک بندہ پایا جس کو ہم نے اپنے پاس سے اپنی مہر دی تھی اور اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا ○ اس کو مُوسٰی نے کہا: کہے تو اس پر تیرے ساتھ رہوں کہ جو کچھ بھلی راہ تجھ کو سکھائی ہے، مجھ کو سکھاوے ○ بولا: تو میرے ساتھ نہ ٹھہر سکے گا ○ اور کیونکر ایک چیز کو دیکھ کر ٹھہرے جس کی سمجھ تیرے قابو میں نہیں ○ کہا: اگر اللہ نے چاہا تو مجھ کو ٹھہرنے والا پاوے گا اور تیرا کوئی حکم نہ ٹالوں گا ○ بولا: پھر اگر میرے ساتھ رہتا ہے مجھ سے کوئی چیز مت پوچھیو جب تک میں تیرے آگے اُس کا ذکر نہ کروں ○ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ناؤ میں چڑھے، اُس کو پھاڑ ڈالا۔ موسٰی بولا: تو نے اُس کو پھاڑ ڈالا کہ اس کے لوگوں کو ڈبا دے۔ تو نے

ایک انوکھی چیز کی ○ بولا: میں نے نہ کہا تھا۔ تو میرے ساتھ نہ ٹھہر سکے گا ○ کہا: مجھ کو میری بھول پر نہ پکڑ، مجھ پر میرا کام مشکل نہ ڈال ○ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک لڑکے سے ملے۔ اُس کو مار ڈالا، موسٰی بولا: تو نے بن بدلے کسی جان کے ایک جان مار ڈالی۔ تو نے ایک نا معقول چیز کی ○ بولا: میں نے تجھ کو نہ کہا تھا کہ تو میرے ساتھ نہ ٹھہر سکے گا ○ کہا: اگر اس کے پیچھے کوئی چیز تجھ سے پوچھوں پھر مجھ کو ساتھ نہ رکھیو، تو میری طرف سے الزام اتار چکا ○

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں کے لوگوں تک پہنچے۔ وہاں کے لوگوں سے کھانا چاہا، وہ نہ مانے کہ ان کو مہمان رکھیں، پھر اُس نے ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی۔ اُس کو سیدھا کیا، موسٰی بولا: اگر تو چاہتا تو اس پر مزدوری لیتا ○ کہا: اب میرے تیرے بیچ جدائی ہے اب تجھ کو ان باتوں کا پھیر جتاتا ہوں جن پر تو نہ ٹھہر سکا ○ وہ جو کشتی تھی سو کتنے محتاجوں کی تھی جو دریا میں محنت کرتے تھے۔ سو میں نے چاہا کہ اُس میں نقصان ڈالوں اور ان کے پرے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی چھین کر لے لیتا تھا ○ اور جو لڑکا تھا سو اس کے ماں باپ ایمان پر تھے، پھر ہم ڈرے کہ ان کو زبردستی اور کفر کر کر عاجز کرے ○ پھر ہم نے چاہا کہ ان کا رب ان کو ستھرائی میں اور محبت میں لگاؤ رکھتا بہتر بدلا دے ○ اور وہ جو دیوار تھی، سو دو یتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے تھے اور اُس کے نیچے ان کا مال گڑا تھا۔ اور اُن کا باپ نیک تھا۔ پھر تیرے رب نے چاہا کہ وہ اپنے زور کو پہنچیں اور اپنا گڑا مال نکالیں، تیرے رب کی مہربانی سے، اور میں نے یہ اپنے حکم سے نہیں کیا۔ یہ ان چیزوں کا پھیر ہے۔ جن پر تو نہ ٹھہر سکا ○

احادیث میں موسیٰؑ و خضرؑ کا واقعہ

احادیث میں اس واقعہ کا پس منظر یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعظ کے دوران میں کسی نے پوچھا۔ آیا اس وقت روئے ارض پر آپ سے زیادہ بھی کوئی عالم ہے؟ چونکہ وہ صاحب شریعت نبی تھے اور اس خیال سے کہ تمام احکام دینی کا علم اُن کے پاس ہے، اُنہوں نے کہہ دیا کہ نہیں، اس وقت میں ہی علم میں سب سے بڑھ کر ہوں۔ چنانچہ انہیں الہام ہوا کہ ہمارا ایک بندہ ایسا بھی ہے جو تم سے علم میں بڑھ کر ہے اور فلاں جگہ ملے گا۔ اُسے جا کر ملو۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے یوشع علیہ السلام کو اپنے ساتھ لیا۔ اور اللہ کے اُس بندے سے ملنے کے لئے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں مزید جو باتیں بیان فرمائیں۔ اُن میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنے ساتھی کے ساتھ جب اُس پتھر کے پاس پہنچے جہاں مچھلی حرکت میں آگئی تھی۔ "تو دیکھا کہ اُس پتھر کے پاس ایک شخص سر سے پاؤں تک چادر تانے لیٹا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے (اسی حال میں) سلام کیا تو خضرؑ نے پوچھا کہ آپ کے ملک میں کیسے سلام کرتے ہیں؟ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں تو حضرت خضرؑ نے سوال کیا کہ موسیٰ بنی اسرائیل؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں، میں موسیٰ بنی اسرائیل ہوں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ خاص علم سکھلا دیں۔ جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔"

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب خضر کے ساتھ سفر پر نکلے اور کشتی میں بیٹھے تو اُس موقعہ پر حدیث میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اسی اثنا میں ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر اُس نے دریا میں سے ایک چونچ بھر پانی لیا۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ میرا علم اور آپ کا علم دونوں مل کر بھی اللہ کے علم کے مقابلے میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتے جتنی اس چڑیا کی چونچ کے پانی کو اس

سمندر کے ساتھ ہے۔[1]

کیا یہ واقعات مکاشفہ تھے؟

جدید دور کے بعض عقلیت پسند مفسرین نے اس واقعہ کی تفسیر کو اپنے نقطۂ نظر کے مطابق ڈھالنے کے لئے اپنی رائے کو راہنما بنایا ہے اور اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

مثلاً انہوں نے سب سے پہلے تو یہ خیال پسند کیا ہے کہ یہ محض مکاشفہ تھا۔ اس پر جب یہ اعتراض ذہن میں آیا کہ اگر یہ مکاشفہ ہی تھا تو پھر اس سفر کا حال، مجمع البحرین کا اتا پتا اور موسیٰؑ کا اپنی منزل سے آگے نکل جانا کیوں بیان ہوا۔ اس پر وہ کہتے ہیں کہ بس اللہ کی کوئی مصلحت اس میں ہوگی۔ مصلحت تو اس واقعہ میں یقیناً ہے مگر جیسا کہ ابھی وضاحت کی جائے گی مکاشفہ کی صورت میں نہیں بلکہ عین بیداری کی صورت میں اُن پر یہ پُرحکمت کام اور باتیں منکشف ہوئیں اور یہ اسی حالت میں ہی اُن پر کھل سکتی تھیں۔

خضرؑ کون تھے؟

اس کے بعد سب سے بڑی مشکل انہیں خضرؑ کی شخصیت اور منصب کے بارے میں پیش آئی ہے۔ خضرؑ اگرچہ تمام کام اللہ کی ہدایت کے تحت کر رہے ہیں مگر چونکہ اُن میں ایک دو کام بظاہر خلافِ شریعت بھی ہیں لہٰذا اُن کا جواز جس طرح عقلیت پسند یا ظاہر پسند مفسرین چاہتے ہیں، نہیں مل رہا ہے۔ اس خود پیدا کردہ اشکال کے لئے انہوں نے خضرؑ کے بارے میں یہ مفروضے قائم کئے ہیں:

۱۔ خضرؑ فرشتہ تھے۔

۲۔ خضرؑ انسان تھے لیکن نبی تھے۔

۳۔ خضر انسان تھے اور بادشاہ تھے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب العلم

اگر خضرؑ فرشتہ تھے۔ تو ان کے کاموں پر حضرت موسٰی علیہ السلام کے اعتراضات بے معنی ہو جاتے ہیں۔ وہ نبی جیسے اسرارِ ربّانی کے عالم ہونے کا دعویٰ تھا، یہ ضرور جانتا تھا کہ فرشتہ اللہ کے حکم کی تعمیل کرنے والا ایک غیر جانبدار وسیلہ ہے جو لایعقل ہے۔ اُس کی کسی حرکت پر اعتراض تو نعوذ باللہ خود اللہ تعالےٰ پر اعتراض ٹھہرتا ہے۔ حضرت موسٰیؑ کے ساتھ اس قسم کی بات منسوب کرنا، پیغمبر کے منصب سے لاعلمی کی دلیل ہے۔

اگر خضرؑ نبی تھے تو یہ کیسے کام تھے جن کے وہ مرتکب ہو رہے ہیں؟ کہا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ موسٰی علیہ السلام کو بتانا چاہتا تھا کہ جس طرح بنی اسرائیل کے لئے تم مبعوث کئے گئے ہو، اِسی طرح اور قوموں کی طرف بھی دوسرے نبی مبعوث کئے گئے ہیں اور اُن قوموں کی مقتضیاتِ دینی جُدا ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ خضر کون سے دینی امور سرانجام دے رہے ہیں۔ ایک کشتی میں سوراخ کر دیا، ایک لڑکے کو ہلاک کر ڈالا اور ایک دیوار کی بلا اُجرت مرمت کر دی۔ یہ تو عام تکوینی امور ہیں جن کے لئے کسی نبی کے مبعوث ہونے کی ضرورت نہیں اور پھر تمام عالم کی سابقہ شرائع پر نظر ڈالئے، کیا ان میں سے دو کاموں یا کم از کم کسی ایک کو بھی ظاہر شریعت کی رو سے جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر اس مفروضہ کو درست تسلیم کیا جائے تو لامحالہ یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے علم میں پھر بھی کوئی اضافہ نہیں ہوا ہوگا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو کسی خاص علم سے متعارف کرانے کے لئے وہاں بھیجا گیا تھا اور وہ خود بھی خضر سے کہتے ہیں: "کیا میں اس غرض سے آپ کے ساتھ چلوں کہ جو علم آپ کو سکھایا گیا ہے، وہ آپ مجھے بھی سکھا دیجئے۔" حضرت موسٰیؑ کا یہ سفر، خضر سے اُن کی یہ درخواست اور پھر اُن کی معیّت، یہ سب لاحاصل کام نہ تھے۔ اللہ اور اُس کے انبیاءؑ کے افعال و اعمال

لاحاصل اور خالی از حکمت نہیں ہوتے۔

اگر خضرؑ بادشاہ تھے، تو کیسے بادشاہ تھے کہ بھیس بدل کر نکلے ہیں اور کوئی اُنہیں پہچان بھی نہیں رہا۔ مگر اس کے باوجود وہ سب کے سامنے کشتی توڑتے ہیں اور ایک لڑکے کو ہلاک کرتے ہیں لیکن اُن پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ اگر انہیں نبی مانا جائے تب بھی یہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگ کشتی کے توڑنے پر تو عقیدت کے مارے چپ ہو رہے مگر لڑکے کے قتل پر کیسے چُپ رہ سکے؟ پھر کیا کوئی بادشاہ محض القاء پر ایسے کام کر سکتا ہے؟ اگر ایسا ہے تو کون سی شریعت کسی بادشاہ کو اس کی اجازت دیتی ہے کہ وہ القاو الہام کا دعوٰے کر کے ایسے امور کا ارتکاب کرتا پھرے۔

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے تو اپنی مقبول عام تفسیر میں یہ کہہ کر اصل بات ہی ٹال دی ہے کہ یہ پیچیدگیاں صرف اس صورت میں رفع ہوتی ہیں جب ہم خضر کو انسان نہ مانیں بلکہ فرشتوں میں سے یا اللہ کی کسی اور مخلوق میں سے سمجھیں جو شرائع کی مکلف نہیں ہے بلکہ کارگاہِ مشیّت کی کارکن ہے۔"[1] فرشتہ فرض کر کے تو ہم نے دیکھ لیا، اس سے پیچیدگی اور بڑھ جاتی ہے۔ اب اللہ کی کوئی اور مخلوق اُسے سمجھا جائے تو کیسے؟ حضرت موسٰی علیہ السلام تو خضرؑ کو انسان سمجھ کر ہی اعتراضات کر رہے ہیں۔ چونکہ وہ اُنہیں مکلّف بھی سمجھتے ہیں لہٰذا وہ انہیں انسان سمجھنے کی صورت میں ہی ایسا کر رہے تھے۔ البتہ یہ بات کہ وہ کارگاہِ مشیّت کے ایک کارکن ہیں، واقعہ کی رو سے اور جہاں تک ان کے علم نے ان کی رہنمائی کی ہے، زیادہ مناسب اور قریب الفہم ہے۔

خضرؑ کا خاص علم

یہ ماننے بغیر چارۂ کار نہیں ہے اور قرآن کے بیان کردہ واقعہ سے یہ واضح ہے کہ خضرؑ انسان تھے اور اُن کے پاس ایک خاص علم تھا جو موسٰی علیہ السلام کے لئے بے شک جزوی حیثیت رکھتا ہو مگر اللہ کی حکمتوں کو سمجھنے کے لئے اس سے آگاہی حاصل کرنا ضروری تھا۔ حضرت موسٰیؑ

---

[1] تفہیم القرآن جلد سوئم صہ ۴۲

کو محض "احتیاط فی الکلام" کی تعلیم یا تادیب کے لئے نہ بھیجا گیا تھا، اُنہیں اُس خاص علم کی معرفت کے لئے خضرؑ سے ملنے کا حکم ہوا تھا۔

اردو میں لکھی گئی متداول تفاسیر میں دیکھئے تو مولانا نعیم الدین نے مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کے ترجمہ قرآن مجید کے حاشیے پر تفسیری نوٹ دیا ہے: "مفسّرین و محدّثین کہتے ہیں کہ جو علم حضرت خضر علیہ السلام نے اپنے لئے خاص فرمایا وہ علم باطن و مکاشفہ ہے۔ یہ اہل کمال کے لئے باعثِ فضل ہے...... ان کی فضیلت اس چیز سے ہے جو اُن کے سینہ میں ہے۔ یعنی علم باطن و علم اسرار کیونکہ جو افعال صادر ہوں گے، وہ حکمت سے ہوں گے اگرچہ بظاہر خلاف معلوم ہوں"[۱]

بیان القرآن میں مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا ہے کہ اس خاص علم سے مراد علمِ اسرارِ کونیہ ہے۔ یعنی دنیاوی امور میں جو اللہ کی حکمت کارفرما ہوتی ہے، خضر اُسے جانتے تھے۔ اُن کے نزدیک خضر ان اولیاء اللہ میں سے تھے جو باذنِ حق تکوینیات میں تصرّف کرتے رہتے ہیں۔ صوفیاء کی زبان میں اُنہیں قطب التکوین یا صاحبِ خدمت کہتے ہیں[۲]۔

مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بھی گویا اُنہی کی تائید میں اپنی تفسیر میں مشائخ صوفیاء کا ایک قول نقل کیا ہے کہ جس طرح انبیاء امرِ نبوّت میں اپنے دل سے کچھ نہیں کرتے، اولیاء اہلِ خدمت بھی مدارج خدمت میں تابعِ حکم رہتے ہیں[۳]۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے جہاں سورۂ کہف کی تفسیر کے آخر میں ضروری تشریحات کے عنوان سے اپنے نوٹ میں اصحابِ کہف اور ذوالقرنین پر طویل مضامین قلمبند

---

[۱] ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی مع تفسیری حاشیہ از مولانا نعیم الدین ص ۴۳۲

[۲] بیان القرآن جلد اوّل مولانا اشرف علی تھانوی ص ۵۹۷

[۳] تفسیر ماجدی مولانا عبدالماجد دریا آبادی ص ۶۱۸

گئے ہیں۔ وہاں خضرؑ پر صرف دو سطریں لکھنے پر اکتفا کیا ہے:

"آیت (۶۵) میں حضرت موسیٰؑ کے جس شخص سے ملنے کا ذکر کیا گیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم عطا فرمایا تھا، کون تھا؟ اس بارے میں قرآن نے کوئی تصریح نہیں کی ہے۔ لیکن صحیحین کی روایت سعید بن جبیرؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کا نام خضر تھا۔"[1]

البتہ اس سے پہلے آیات متعلقہ کے نیچے حاشیہ میں تفسیری نوٹ یوں دیا ہے:

"حضرت موسیٰؑ کی ملاقات جس شخص سے ہوئی۔ اُس کی نسبت فرمایا: "ہم نے اُسے اپنے پاس سے ایک علم عطا فرمایا تھا، قرآن جب کبھی کسی بات کو اس طرح بولتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بات براہ راست ظہور میں آئی تھی یعنی دنیوی وسائل کو اُس میں دخل نہ تھا۔ پس معلوم ہوا۔ وہ شخص صاحب وحی تھا اور اللہ نے اُسے براہِ راست علم عطا فرمایا تھا، چنانچہ آگے چل کر اُس کا قول آتا ہے ما فعلته عن امری میں نے جو کچھ کیا۔ اللہ کے حکم سے کیا۔ اپنی سمجھ سے نہیں کیا۔

"یہ علم جو اُسے دیا گیا تھا، یقیناً یہ تھا کہ بعض امور کے بواطن و اسرار اُس پر کھول دیئے گئے تھے۔"[2]

اس اشکال کے بارے میں کہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے علم کی نوعیت میں اختلاف و تضاد پایا جاتا ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے تفسیر مظہری سے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق کا حوالہ دیا ہے اور اُس کا خلاصہ یوں رقم فرمایا ہے:

"حق تعالیٰ جن حضرات کو اپنی وحی اور نبوت سے سرفراز فرماتے ہیں، وہ عموماً تو وہی حضرات ہوتے ہیں جن کے سپرد اصلاحِ خلق کی خدمت

---

[1] ترجمان القرآن جلد دوئم صـ۴۳۱

[2] ایضاً صـ۴۱۹

ہوتی ہے۔ ان پر کتاب اور شریعت نازل کی جاتی ہے۔ جن میں خلق خدا کی ہدایت اور اصلاح کے اصول و قواعد ہوتے ہیں۔ جتنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر قرآن مجید میں بتصریح نبوت و رسالت آیا ہے، وہ سب کے سب ایسے ہی تھے جن کے سپرد تشریعی اور اصلاحی خدمات تھیں۔ ان پر جو وحی آتی تھی، وہ بھی اُسی سے متعلق تھی، مگر دوسری طرف کچھ تکوینی خدمات بھی ہیں جن کے لئے عام طور سے ملائکۃ اللہ مقرر ہیں۔ مگر زُمرۂ انبیاء میں بھی حق تعالےٰ نے بعض کو اس قسم کی تکوینی خدمات کے لئے مخصوص کر لیا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اسی زمرہ میں سے ہیں۔ تکوینی خدمات واقعاتِ جزئیہ سے متعلق ہوتی ہیں کہ فلاں شخص ڈوبنے والے کو بچا لیا جائے یا فلاں کو ہلاک کر دیا جائے، فلاں کو ترقی دی جائے، فلاں کو زیر دیا جائے۔ ان معاملات کا نہ عام لوگوں سے کوئی تعلق ہوتا ہے نہ اُن کے احکام عوام سے متعلق ہوتے ہیں۔ ایسے واقعات جزئیہ میں بعض وہ صورتیں بھی پیش آتی ہیں کہ ایک شخص کو ہلاک کرنا تشریعی قانون کے خلاف ہے مگر تکوینی قانون میں اس خاص واقعہ کو عام تشریعی قانون سے مستثنیٰ کر کے اس شخص کے لئے جائز کر دیا گیا ہے جس کو اس تکوینی خدمت پر مامور فرمایا گیا ہے۔ ایسے حالات میں شرعی قوانین کے علماء اس استثنائی حکم سے واقف نہیں ہوتے اور وہ اس کو حرام کہنے پر مجبور ہوتے ہیں اور جو شخص تکوینی طور پر اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، وہ اپنی جگہ حق پر ہوتا ہے"[۱]

جو نبی کہنے کی دلیل صرف اس امر سے لی گئی ہے کہ خضر علیہ السلام اللہ کے حکم پر سب کچھ کر رہے تھے مگر جیسا کہ وضاحت کی گئی ہے، اس سے نبوت کا منصب ثابت

۱؎ معارف القرآن جلد ۵ صفحہ ۶۰۲-۶۰۱

نہیں ہوتا۔ صاحبِ تفسیر حقانی نے نبوت کے منصب کا ذکر نہیں کیا اور انہوں نے جو کچھ لکھا ہے، خضرؑ کے علم اور مرتبہ کے بارے میں حقیقت پر مبنی ہے۔ انہوں نے بیان کیا ہے:

"انسانوں میں سے بعض نفوس ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے قویٰ خیالیہ وحسیہ انوار ولمعانِ روحانی کی وجہ سے ضعیف ہو جاتے ہیں اور اُن کی قوتِ ملکیہ اُن پر یہاں تک غالب ہوتی ہے کہ اگر اُن کو طبقۂ ملائکہ میں شمار کیا جائے تو کچھ بعید نہ ہو اور ان کی روح علوم و معارفِ الٰہیہ کے لئے ایک آئینہ پُر جلا ہوتی ہے۔ تب اُن پر بلاتوسّطِ غیر عالمِ غیب کے اسرار فائض ہوتے اور اسی کو علم لدنّی کہتے ہیں۔ .... امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی خضر صفت آدمی ہر زمانہ میں موجود ہوتے ہیں جن کو ابدال واوتاد واقطاب کہتے ہیں" [۱]

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری نے بھی "قصص القرآن" میں اس بحث کو ان جملوں کے ساتھ ختم کیا ہے:

"خلاصہ بحث یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے کرائی جن کا نام خضرؑ تھا، ان کو بعض اسرارِ کونیہ کا وہ علم عطا ہوا تھا جو حضرت موسیٰ کو نہیں دیا گیا۔ حضرت موسیٰؑ کی شان حضرت خضرؑ سے کہیں زیادہ ہے۔ حضرت خضر کا تذکرہ جس انداز سے قرآن عزیز نے کیا ہے۔ اُس سے یہی راجح نظر آتا ہے کہ وہ نبی تھے" [۲]

۱ے تفسیر حقانی جلد پنجم ص ۱۱۶ و ص ۱۱۷

۲ے قصص القرآن حصہ اول ص ۵۴۷

خضرؑ قطب الاقطاب یا غوث تھے

خضر درحقیقت نبی نہ تھے بلکہ ولی اللہ تھے اور ابدالوں کے زمرہ سے تعلق رکھتے تھے جنہیں اللہ کی طرف سے اور اُس کے حکم سے الٰہی مشیت کو پورا کرنے کے لئے تصرف کی خاص قوتیں ودیعت کی جاتی ہیں۔ یہ اولیاء اللہ دراصل تکوینی امور میں تقدیر کے رازوں سے باخبر ہوتے ہیں اور مشیت کے آلۂ کار بن کر بنی نوع انسان کی خدمت سرانجام دیتے ہیں۔ چونکہ موسٰی علیہ السلام اپنے وقت کے اولوالعزم نبی تھے۔ اس لئے ان کی ملاقات بھی ولیوں میں سے اعلٰی منصب کے ایک خاص ولی سے کرائی گئی جو اپنے وقت کا غوث یا قطب الاقطاب تھا۔ حضرت موسٰی علیہ السلام سرِ قدر کے اس پہلو سے اس حد تک آگاہ نہ تھے کہ اُس کی جزویات و تفصیلات بھی ان کے علم میں ہوں۔ لیکن اُن کا یہ جاننا ضروری تھا کہ اللہ کے ہاں اِس کا ایک الگ شعبہ ہے جس میں ملائکہ اور ملائک صفت انسان اُس کے حکم کی تعمیل میں لگے رہتے ہیں۔ اور انسانوں کے درمیان جس قدر امور ظاہر میں واقع ہو رہے ہیں، اُن کے پیچھے کوئی نہ کوئی الٰہی حکمت ضرور کارفرما ہوتی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ اُس کی اصل حکمت سے عوام اور بعض حالات میں خواص بھی بے خبر رہتے ہیں اور اُن کا باخبر ہونا ضروری بھی نہیں ہوتا۔ تاہم اِس مرتبے میں یہ بات اس لئے ایمانیات سے تعلق رکھتی ہے کہ ہم اللہ کو حکیم و خبیر مانتے ہیں لہٰذا ہمارے لئے اس کی حکمت و مصلحت پر ایمان رکھنا ضروری ہوا۔

حضرت موسٰی علیہ السلام کو خضرؑ سے ملنے کا حکم ہوا تھا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ ایک معمولی سے معمولی واقعہ بھی مصلحت کے بغیر رونما نہیں ہوتا۔ موسٰی علیہ السلام کے اطمینانِ قلب یا حق الیقین کے لئے انہیں ایک مردِ خدا کے پاس بھیجا گیا جو محض خدا کے حکم سے بعض ایسے کام کر رہا تھا جن کی حکمت ظاہر میں عام نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے۔

اب صرف ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے کہ اگر وہ انسان تھے اور ولی تھے تو جیسا کہ ہم نے اُن کے نبی فرض کرنے کے بارے میں سوال اٹھایا تھا کہ لوگوں نے ان کو منع کیوں نہیں کیا۔ یہاں بھی اٹھا سکتے ہیں۔

صحیح بخاری کے باب کتاب التفسیر میں فَاَقَامَہٗ (پس اُس نے دیوار سیدھی کردی)، کے بارے میں روایت کی گئی ہے کہ خضرؑ نے دیوار پر ہاتھ پھیرا اور وہ سیدھی ہوگئی تھی، اس سے ہم دوسرے واقعات کے بارے میں بھی قیاس کرسکتے ہیں۔ زبانی روایات میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک بات بیان کردی گئی، دوسری رہ گئی۔ دراصل کشتی کا کوئی حصہ بھی ایسے ہی ٹوٹا ہوگا کہ خضرؑ نے محض اپنی باطنی توجہ سے سوراخ کردیا۔ اب دوسرے لوگوں کی نظروں سے تو یہ سب اوجھل رہا لیکن حضرت موسیٰؑ تو دیکھ رہے تھے کہ گو باطن کے زور سے ایسا کیا ہے مگر کیا تو خضرؑ نے ہے۔ اسی طرح وہ جو لڑکے کو مار ڈالا ہے، وہ بھی باطن کے ہتھیار یعنی توجّہ سے ایسا کیا ہوگا۔ یہاں بھی قتل کا سبب لوگوں سے مخفی رہا۔ وہ تو یہی سمجھے ہوں گے کہ بس کسی وجہ سے گر پڑا اور مر گیا لیکن موسیٰؑ تو جانتے تھے کہ گو لوگوں کو معلوم نہ ہو مگر یہ کام کیا خضرؑ نے ہے اور اس فعل کا ظاہر میں کوئی جواز اُن کے پاس نہیں۔ دیوار کے بارے میں تو روایت موجود ہی ہے کہ اُس پر ہاتھ پھیرا اور سیدھی کردی۔

توجہ کے اثرات کے بارے میں صوفیاء کے تذکرے واقعات سے پُر ہیں۔ اور یہ ایسا ہتھیار ہے کہ اس سے پتھر پھٹ جاتے ہیں، آدمی مر جاتے ہیں اور بعض اوقات ذہنوں کی دنیا تبدیل ہوجاتی ہے۔ خضرؑ اسی باطنی توجّہ سے سب کچھ کر رہے تھے۔ اس لئے اُن کے آس پاس لوگوں کو کچھ معلوم نہ ہوسکا کہ اِن واقعات کے پیچھے کیا طاقت کام کر رہی ہے۔

یہ ثابت کرنے کے لئے بھی کہ غوث، قطب اور ابدال کیا اس طرح الٰہی مشیت

کے تحت عمل پیرا ہوتے ہیں، پھر اولیاء اللہ کے علوم کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ اُن کے علم کی رُو سے ظاہر ہے کہ اس گروہ کے اہلِ خدمات خوارق عادت طریقوں سے یہ کام کرتے رہتے ہیں اور اِن کو اللہ تعالےٰ اِس کیلئے خاص قوتوں سے نوازتا ہے۔

کیا خضرؑ زندہ ہیں؟

اکثر صوفیاء و محدثین اس امر کے قائل ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام اب تک زندہ ہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث کی رو سے بعض نے کہا ہے کہ وہ اگر زندہ تھے تو اب وفات پا چکے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت سے قریب فرمایا کہ ہر ایک جاندار جو روئے زمین پر ہے، بعد سو برس زندہ نہ رہے گا یا ایک اور حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر خضرؑ زندہ ہوتے تو میری زیارت کرتے۔

صوفیاء کے مکاشفات اور علماء کے علمی نکات کے مطالعہ کے بعد مجھ فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ خضر اپنے وقت کے غوث تھے اور ہر زمانے میں ایک بزرگ اس مقام پر ہوتا ہے اور وہ گوناگوں طریقوں سے کارگاہِ حیات میں لوگوں کا مددگار و معاون ہوتا ہے۔ اُن کے غوث یا قطب الاقطاب ہونے کی دلیل وہ حدیث ہے جس کی روایت حضرت علی علیہ السلام سے کی گئی ہے۔ انہوں نے مختلف ملکوں میں ابدال و اوتاد کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا وَالْخِضَرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ سَيِّدُ الْقَوْمِ (اور خضرؑ سب قوم کے سردار ہیں)، یہاں بھی خضر سے مراد خضرؑ کا ہم مرتبہ مردِ حق ہے۔

خضرؑ بطور صاحب ارشاد ولی

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے کم از کم غوث کے مرتبہ والے ولی کو مرشد کے منصب کے لائق سمجھا ہے کیونکہ اللہ نے اُن کے رُشد و علم و معرفت کی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پاس بھیجا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید سے خضرؑ کی پانچ خصوصیات مستنبط ہوتی ہیں اور یہی صاحب ارشاد کے لئے لازم اور مختص ہیں ایک بزرگ نے اپنے

ایک رسالے میں انہیں یوں بیان کیا ہے:

اول: مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ (دو دریاؤں کا ملاپ) سے شریعت و حقیقت، معرفتِ صفات و اسماءِ الٰہی اور ظاہر و باطن کے جامع ہونے کی صفت مراد ہے۔

دوم: فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا (پھر ایک بندہ ہمارے بندوں میں کا پایا) عبودیت یا قربت کا وہ مقام مراد ہے، جہاں بندہ خلعتِ ارشاد و خلافت کا مستحق ٹھہرتا ہے اور اُس کا نام عبداللہ رکھا جاتا ہے۔

سوم: عبودیت کی یہ صفت اُس کی حیاتِ دائمی پر بھی دال ہے۔ اِس جہان میں رہتے ہوئے بھی اب وہ ہمیشہ رہنے والے جہان کا آدمی ہے۔

چہارم: اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا (جس کو ہم نے اپنے پاس سے اپنی مہر دی تھی) ایتانِ رحمت سے مراد وہ خصوصیات ہیں جو اللہ کے امر سے اُس کی حفاظت کرتی ہیں اور اُس کے امر کی تعمیل میں اُس کی معاون ہوتی ہیں۔

پنجم: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (اور اپنے پاس سے ایک علم سکھایا تھا) اس سے مراد علمِ معارف ہے[1]۔

---

[1] خلاصہ بیان فارسی رسالہ سراج السالکین از مولانا محمد صاحبزادہ ص ۲۳ (شائع کردہ محمد عبداللہ کتب فروش پشاور ۱۳۳۳ھ)

نوٹ: بعض حضرات کے نزدیک جو آیات قرآنی کے اعتباری معنی کا ذوق رکھتے ہیں۔ موسیٰ "نفس" کا استعارہ ہے جو امتیاز کو روا رکھتا ہے۔ خضر روحانی علم و رشد کی مثال ہے اور مرشد کامل ہے۔ لیکن جب ایسا نفس اپنے پُراسرار مرشد سے ملتا ہے تو تمام دنیاوی علوم کو بھول جاتا ہے جسکا نشان مچھلی ہے۔ اُسکا یہ علم روحانیت کے بحرِ علم میں گم ہو جاتا ہے جہاں انسانی روح اس ملاپ کیلئے پہلے سے تیار ہے۔ مگر یہ گشتگی، خود فراموشی اور ملاپ علم لدنی کے حصول کیلئے کافی نہیں ہے۔ اس کیلئے صبر و استقلال کیساتھ سعی و جد و جہد ضروری ہے۔ اسی لئے سلوک میں پیر و مرشد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسی طرح بعض نے کہا ہے کہ موسیٰ قانونِ ظاہری کے نمائندہ ہیں اور خضر جامعیتِ حق کے جسے لفظی قانون کے نقطۂ نظر سے نہیں سمجھا جا سکتا۔ ہوا کی طرح جسکے متعلق آپ نہیں بتا سکتے کہ کہاں سے آتی اور کہاں چلی جاتی ہے۔

واقعہ موسیٰؑ و خضرؑ کی حکمت: سِرِّ قدر اور مشیّت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا مقصد سیاسی بھی تھا اور دینی بھی۔ سیاسی یوں تھا کہ اپنی قوم کو وہ فرعونیوں سے نجات دلا کر مصر سے نکال لانا چاہتے تھے اور دینی اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی قوم کی اخلاقی و روحانی اصلاح بھی کر رہے تھے۔ اُنہیں اِن فرائض کی ادائیگی میں بہت سی مشکلات پیش آ رہی تھیں جن میں سے اکثر مغیبات سے متعلق تھیں۔ مثلاً ایک قوم ظالم و کافر ہے، اللہ بھی اس کے خلاف ہے مگر پھر بھی غالب اور حکمران ہے۔ لوگ بظاہر اچھے ہیں مگر وہ مشکلوں میں کیوں پڑ جاتے ہیں، لوگ بد ہوتے ہیں مگر وہ خوش حال کیوں نظر آتے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ واقعی نیک لوگوں کی مدد کرتا ہے؟ اور اگر ایسا ہے تو اس کی مشیّت کیسے کام کرتی ہے؟ اس قسم کے کئی سوالات تھے جن کے جوابات سے وہ مطلع ہونا چاہتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کی قوم کے اس شکوہ کا ذکر ہے کہ لوگوں نے کہا: اے موسیٰ! جب تو نہیں آیا تھا تو تب بھی ہم پر ظلم ہوتے تھے۔ اور اب کہ تو خدا کی طرف سے مبعوث ہوا ہے، پھر بھی ان مظالم میں کمی نہیں آئی۔ (الاعراف: ۱۲۹) خود موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ سے فتح اور غلبہ کے متدعی تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور رسول کو سِرِّ قدر اور مشیّت کے بارے میں حق الیقین کے درجے تک لانا چاہتا تھا اور اُسے بتانا چاہتا تھا کہ اللہ کی مشیّت برابر کام کر رہی ہے۔ اور ایسے ذرائع اُس کی زیر کفالت کارفرما ہیں جن تک ظاہر میں نگاہ و عقل کی رسائی نہیں۔ اوپر خرابی نظر آتی ہے لیکن اس کے نیچے درستیِ احوال کے لئے عوامل کام کر رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کے معاملات میں بھی بالآخر ایسا ہی ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کچھ دیر اور صبر کرتے تو کئی اور پُر حکمت باتیں کھلتیں۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض مکاشفہ نہ تھا۔

یہ عین روزمرہ کی زندگی کا واقعہ تھا جس میں بعض وقوعات پر موسیٰؑ ضبط نہ کر سکے۔ لیکن وہ اب اللہ کی مشیّت اور تقدیر کی چند جھلکیاں دیکھ چکے تھے اس لئے اپنی قوم کی طرف واپس چلے آئے جہاں اُن کا اصل مشن تکمیل کے لئے اُن کا منتظر تھا۔

موسیٰؑ و خضرؑ کے واقعہ سے مستنبط معلومات

قرآن مجید کے اس بیان کردہ واقعہ سے حسب ذیل حقائق کا استنباط ہوتا ہے:

۱۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کو شرح وبسط کے ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا کہ سِرِّ قدر اور مشیت کے بارے میں کچھ ایسے ہی سوالات ہر سوچنے سمجھنے والے مومن کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ تشفی کے لئے موسیٰؑ اور خضرؑ کے مابین ملاقات و واقعات کا حال بیان ہُوا۔

۲۔ اللہ کے اسرارِ قدر پر ہر ایک مطلع نہیں ہوتا اور عدم اطلاع سے کسی کے بلند روحانی مرتبہ میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۳۔ اللہ کے کچھ بندوں کو نہ صرف سِرِّ قدر کا علم دیا جاتا ہے بلکہ اُس کی مشیّت کو عملی جامہ پہنانے کے لئے خاص قوتیں بھی ودیعت کی جاتی ہیں۔

۴۔ اللہ کے یہ بندے عام نگاہوں سے مخفی رہتے ہیں۔ صرف ان کو کچھ پتہ ہوتا ہے جن کے سامنے خود کو یہ ظاہر کر دیں یا خدا اُن کے بارے میں کچھ مطلع کر دے۔ اللہ کے یہ بندے اس قدر عُزلت میں رہتے ہیں کہ پیغمبر پر بھی صرف اُس صورت میں ظاہر ہوتے ہیں جب اللہ انہیں اس کا حکم دے۔

۵۔ جس طرح سے یہ کام کرتے ہیں، اُس کی حقیقت بھی عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔

۶۔ یہ بندے ملائکہ کی طرح اللہ کے فرمان کی تعمیل کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے یہ کام مخفی نوعیت کے ہیں یا غیب سے متعلق ہیں۔ اس لئے وہ ملائکہ تو نہیں مگر ملائکہ کی طرح

کام کرتے ہیں۔ ان پر ظاہر شریعت کے احکام نافذ نہیں ہوتے۔

مزید غور کیا جائے تو کئی اور دانش کی باتیں بھی علم میں آتی ہیں۔ مثلاً خضرؑ کی پیش آمدہ واقعات کے بارے میں گفتگو کے صیغوں کو پڑھا جائے۔ تو خضرؑ اور اُن کے زمرہ کے اہلِ خدمات کے دائرہ کار داختیار کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ کشتی کے توڑنے کے بارے میں خضرؑ صیغہ واحد متکلم استعمال کرتے ہیں۔ فَاَرَدْتُّ (سو میں نے چاہا)، اس کا مطلب یہ ہے کہ اِن اہلِ خدمات اولیاء اللہ کو لوگوں کی فلاح و بہبود کے ایسے کاموں میں خود تصرّف کا اختیار ہوتا ہے جن میں دوسروں کا نقصان نہ ہو۔ چونکہ اُن کے لئے اصل الاصول عوام الناس کی خدمت ہے اس لئے وہ اپنی ذاتی خواہش کے تحت بھی خیر رسانی کا کام کر سکتے ہیں۔ لڑکے کی ہلاکت کے متعلق خضرؑ صیغۂ جمع متکلم تعظیمی استعمال کرتے ہیں جس سے حکومت کے فیصلے اور شاہنشاہی اختیار کا اظہار ہو رہا ہے۔ اہلِ خدمات اولیاء اللہ بعض اہم امور کو ایوان الصّالحین میں طے کرتے ہیں یعنی کارپرداز ان زمرۂ ابدال جمع ہو کر ان کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں۔ چونکہ لڑکے کی ہلاکت کا معاملہ درپیش تھا، ایسا فیصلہ خضرؑ اکیلے نہیں کر سکتے ہیں۔ اس لئے یہ فیصلہ ایوان الصّالحین کا معلوم ہوتا ہے۔ جو فَخَشِیْنَآ اور فَاَرَدْنَآ (پھر ہم ڈرے اور ہم نے چاہا) سے ظاہر ہے۔ صاحب تجربہ و مشاہدہ اولیاء اللہ نے ایوان الصّالحین کی کارکردگیوں کے بارے میں ایسا ہی لکھا ہے۔ دیوار کے بارے میں خضر علیہ السلام فَاَرَادَ رَبُّکَ (پھر تیرے رب نے چاہا) بتاتے ہیں۔ یعنی اللہ کی صفت ربوبیّت کا تقاضا تھا کہ نیک لوگوں کی اولاد کے مال و منال کی حفاظت ہو۔ چنانچہ خضر علیہ السّلام کو براہِ راست الہام ہوا کہ دیوار کو سیدھا

کر دیا جائے[1]

معلوم ہوا کہ اہلِ خدمات کو ذاتی تصرف کا بھی اختیار ہوتا ہے۔ وہ اہلِ خدمات کے اجتماعی فیصلے کو بھی نافذ کرتے ہیں اور اللہ کے الہام و القاء کے تحت بھی لوگوں کی کاربرآری کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی روشنی میں کہ کاش موسیٰؑ صبر کرتے، سمجھا جا سکتا ہے کہ اسی طرح مقاماتِ تصرف کا دائرہ وسیع بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ سب کام چونکہ "زیرِ ہدایت مدبّر الامر" عمل میں آ رہے ہیں۔ اس لئے اِن کو اللہ کی طرف ہی منسوب کیا جائے گا۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ([یہ سب کچھ ہوا] تیرے رب کی مہربانی سے)

اور وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي (اور میں نے یہ اپنے حکم سے نہیں کیا)

سے یہی مراد ہے۔

---

[1] مفتی محمد شفیع صاحب نے اللہ کے لئے ادب و تعظیم کے نقطۂ نظر سے تشریح اس طرح کی ہے۔ کہ اِن سے خضر علیہ السلام کی طرف سے اللہ کی تعظیم کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ کشتی توڑنے کے ارادہ میں چونکہ بظاہر برائی ہے۔ اس لئے اُسے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے أَرَدْتُّ کہا۔ لڑکے کے قتل میں اولاد کا بدلہ مقصود تھا۔ اِس لئے ظاہری شر اور پوشیدہ خیر دونوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے أَرَدْنَا فرمایا۔ یتیموں کے مال کے محفوظ ہونے میں چونکہ خیر ہی خیر ہے۔ اس کی پوری نسبت اللہ کی طرف کر دی فَأَرَادَ رَبُّكَ معارف القرآن جلد پنجم ص ۶۱۱

ہم نے حکم اور اختیار کے نقطۂ نظر سے صورتِ حال واضح کی ہے۔ لہٰذا یہ اختلاف نہیں بلکہ محض دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہوئے قرآن کے حکیمانہ ارشاد میں مضمر حکمت کا اظہار ہے۔

احادیث میں ذکرِ ابدال

علامہ سیوطیؒ نے زمرۂ ابدال کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا۔ جس میں تقریباً "بیس کتب ورواۃ" سے ابدال کی احادیث جمع کی ہیں۔ موجودہ زمانہ کے ایک شیخ مولانا اللہ یار خان صاحب (دامت برکاتہ) کا کہنا ہے کہ یہ اُن کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے جس میں سے انہوں نے اپنی کتاب دلائل السلوک میں یہ احادیث نقل کی ہیں[۱]۔ اسی طرح مولانا عبدالعزیز مزنگوی نے ابدالوں کے بارے میں احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ "احوالِ ابدال" ترتیب دیا تھا[۲]۔ ان دونوں کتابوں میں سے چند ایک احادیث نقل کی جا رہی ہیں۔

احادیث الرسول اللہؐ

۱۔ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ خدا کے تین سو بندے مخلوق میں ہیں جن کے قلوب حضرت آدم علیہ السلام کے قلب کی مانند ہیں۔ چالیس ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت موسٰے علیہ السلام کے قلب کی مانند ہیں۔ سات ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قلب کے سے ہیں۔ پانچ ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت جبرئیلؑ کے قلب پر ہیں۔ تین ایسے ہیں جن کے قلوب حضرت میکائیلؑ کے قلب پر ہیں اور ایک بندہ ایسا ہے جس کا قلب حضرت اسرافیلؑ کے قلب پر ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس سرّہٗ کے مرید و خلیفہ حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے نہایت ہی مختصر رسالہ "ابدالیہ" میں یہی حدیث نقل کی ہے۔

۱؎ دلائل السلوک از مولانا اللہ یار خان ص۶۵ تا ص۷۸

۲؎ احوال ابدال از عبدالعزیز مزنگوی ص۲۱ و ص۲۴

۲۔ بیہقی: میری امت کے ابدال اپنے اعمال کے سبب سے جنت میں داخل نہ ہوں گے بلکہ اللہ کی رحمت سے، نفسوں کی سخاوت سے اور سینوں کی سلامتی سے داخل ہوں گے۔

۳۔ یزید بن ہارونؒ فرماتے ہیں: ابدال اہل علم ہیں۔

۴۔ بکر بن خُنیسؒ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ میری امت کے ابدال کی یہ علامت ہے کہ وہ کبھی کسی شئے کو لعنت نہیں کرتے۔

۵۔ امام احمد کی حدیث: اس اُمت میں ابدال بیس ہوں گے۔ جن کے قلوب حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے قلوب پر ہوں گے۔ اور ان میں سے جو فوت ہوگا، اللہ اُس کی جگہ دوسرا بدل دے گا۔

۶۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:
چالیس آدمیوں سے زمین خالی نہ رہے گی جو مثل خلیل اللہ کے ہیں۔ اُن کی توجہ سے تم پر بارش برسائی جائے گی اور ان کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور ان کی وجہ سے تمہیں رزق دیا جائے گا۔ مجمع الزوائد میں ہے کہ اُس کے اسناد حَسَن ہیں۔

۷۔ ابن عساکر کی حدیث میں ہے کہ ابدال شام میں ہوتے ہیں اور وہ چالیس مرد ہیں۔ ان کے سبب سے تمہیں بارش دی جاتی ہے اور ان کی وجہ سے تمہیں دشمنوں پر فتح دی جاتی ہے اور ان کے سبب سے اہل زمین سے تکالیف اور مصائب دور کئے جاتے ہیں۔

۸۔ ابن عدی سے روایت ہے کہ ابدال چالیس ہیں۔ بائیس شام میں ہوتے ہیں اور اٹھارہ عراق میں۔ ان میں سے جو فوت ہوتا ہے، اللہ تعالےٰ اُس کی جگہ دوسرا بدل دیتا ہے اور جب اللہ کا حکم آئے گا، سب فوت ہو جائیں گے۔ اُس وقت قیامت آجائے گی۔

۹۔ ابو نعیم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا: میری امت میں ہر زمانہ

میں پانچ سو اخیار ہوں گے اور چالیس ابدال ، اِن دونوں میں کمی نہ ہوگی یا اِن میں سے جو فوت ہو گا۔ اِن پانچ سو میں سے اللہ تعالےٰ اُس کی جگہ دوسرے شخص کو اِن چالیس میں داخل کر دے گا۔

۱۰۔ خطیب نے بذریعہ ابو بکر ابن ابی شیبہ حدیث کا اخراج کیا۔ کہ میں نے کتانی سے سنا کہ نقباء تین سو ہیں اور نجباء ستر ہیں۔ ابدال چالیس ہیں۔ اخیار سات ، قطب چار اور غوث ایک ہے۔

احادیث سے مزید معلومات کا استنباط

قرآن جو اطلاعات بہم پہنچاتا ہے ، ان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اب اِن احادیث سے مزید حسب ذیل معلومات حاصل ہوئیں :

۱۔ اللہ تعالےٰ کے کچھ خاص بندے اُس کے ہاں مستحقِ اجابت شمار ہوتے ہیں۔ ان کی دعائیں عند اللہ قابل قبول ٹھہرتی ہیں۔

۲۔ وہ ایک مقرر کردہ نظام کے تحت اس طرح کام کرتے ہیں کہ ایک دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو دوسرا اُس کی جگہ مقرر کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ اللہ کی رحمت خود ان کا انتخاب کرتی ہے کیونکہ یہ اُس کی رحمت کے آلۂ کار ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کے کاموں کے لئے وقف ہوتے ہیں اور ان کے سینے کسی نفسانی لوث کے بغیر اللہ کی طرف سے الہام و القاء قبول کرتے ہیں۔

۴۔ ان کے زیادہ تر تصرفات قلب کی توجّہ کے ذریعہ ہوتے ہیں کیونکہ کئی روایتوں میں نبیوں سے خاص طور پر ان کے قلوب کی مشابہت کا ذکر آیا ہے۔

۵۔ ان کے عہدے اور مناصب الگ الگ ہیں لہٰذا اِن کے تصرّفات اور اختیارات بھی اِن ہی کے مطابق ہوں گے۔

۶۔ ان کا کام فرض منصبی کے لحاظ سے تکوینی امور سے متعلق ہے۔ جیسے دشمنوں پر غلبہ و فتح، خوشحالی و بدحالی یا رفع تکالیف و مصائب وغیرہ۔

۷۔ اِن کی کل تعداد یا مختلف علاقوں میں ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔

۸۔ مقربین کا یہ گروہ اپنے مراتب کے مطابق ہر زمانے میں موجود رہتا ہے اور قیامت تک یہ سلسلہ رہے گا۔

علومِ اولیاء اللہ میں ذکرِ ابدال

اولیاء اللہ اور رجالِ غیب

چونکہ زمرۂ ابدال کے افراد اولیاء اللہ میں سے ہی چنے جاتے ہیں اس لئے قرآن و حدیث کے بعد اگر کوئی گروہ سند کے ساتھ بات کر سکتا ہے تو وہ انہی لوگوں کا گروہ ہے۔ بعض تو اِن میں سے خود کسی نہ کسی طرح اِن مناصب سے متعلق ہوتے ہیں ورنہ کم از کم اس گرنہ کے متعلق ملاقات یا کشف کے ذریعہ معلومات ضرور رکھتے ہیں۔

ضروری نہیں ہے کہ ہر ولی اِن کے متعلق سب کچھ جانتا ہو یا اِن سے سروکار رکھتا ہو۔ یہ مشیت کے مخفی کارکنوں کا گروہ ہے لیکن بعض عارفین نے اِن کو جانا پہچانا اور اِن کے متعلق معلومات بہم پہنچائی ہیں۔

اولیاء اللہ اس گروہ کے افراد کو رجالِ غیب کی قبیل سے جانتے ہیں کیونکہ یہ لوگ عامۃ النّاس کی نظروں سے غائب رہ کر کام کرتے ہیں اور غیبی نوعیت کے کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ مگر رجالِ غیب میں بقول حضرت شیخ عبدالکریم الجیلی رحمۃ اللہ علیہ

چونکہ فرشتے اور ارواحِ مقدسہ بھی شامل ہیں اس لئے اولیاء اللہ اِن میں تمیز کے لئے اِن کو عُزلتی[1]، اہلِ خدمات اور ابدال کہتے ہیں۔ آگے غوث و قطب اور اخیار و اوتار یا نجباؤ نقباء وغیرہ اِن کے مناصب ہیں۔ اور یہ سب اپنی اپنی سطح پر رہ کر کام کرتے ہیں۔

ابدالوں کا انتخاب و تقرر

دراصل اللہ کے ہاں تو ہر کام کا اندازہ پہلے سے مقرر ہے۔ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا الاحزاب : ۳۸ (اور اللہ کا کام اندازے پر مقرر کیا ہوا ہے) تقدیر ایک راز ہے جس سے یا تو عارفوں کے قلوب کو مطلع کیا جاتا ہے اور یا پھر ان لوگوں کو اس راز میں شریک کیا جاتا ہے جو الٰہی مشیّت کے تحت کارکن بن کر کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ خاص گروہ ہے جس کے افراد کو اللہ کی رحمت اپنے کام کے لئے منتخب کرتی اور مخصوص کر لیتی ہے۔

اِن میں سے بعض کو تو فطرت پیدا ہی اس لئے کرتی ہے کہ وہ اسی کام کے ہو کر رہیں۔ یہ پیدائشی طور پر ابدال ہوتے ہیں۔ یہ کسی گھر میں بھی جنم لے سکتے ہیں۔ اللہ کے ہاں اس کے لئے اونچ نیچ کی کوئی تمیز نہیں ہے لیکن شروع سے ہی اِن پر کچھ ایسی غیر معمولی کیفیات طاری رہتی ہیں کہ اِن کے والدین انہیں آسیب زدہ، ذہنی بیمار یا مجنون بھی سمجھتے رہتے ہیں۔ مگر اس سے یہ مطلب ہرگز نہ اخذ کیا جائے کہ تمام ایسے بچے انہی کی قبیل سے ہوتے ہیں۔

سیدی محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک بار ایک بھڑ بھونجا اپنی کمسن لڑکی کو حضرت حاجی عبداللہ شاہؒ (بادشاہ غوث و قطب) کے پاس لایا کہ اسے جانے کیا ہو گیا ہے۔ آپ نے اُسے دیکھتے ہی فرمایا: "او ہو، تم اِس کے بارے

---

[1] عُزلت : تنہائی۔ جُدا شدن از زن و فرزند و گوشہ نشینی برائے عبادت۔ ان کو تنہا رہنے اور کام کرنے کی وجہ سے عُزلتی کہا گیا۔

میں فکر نہ کرو۔ یہ تو اللہ کے ہاں قبول کر لی گئی ہے۔" بعد ازاں اُس لڑکی سے خوارق عادت باتیں ظاہر ہونے لگیں۔ غیب کی خبریں اُس پر کھلتی تھیں اور وہ بعض سے لوگوں کو آگاہ بھی کر دیتی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد وہ لڑکی وہیں رہ گئی۔ ایک صاحب کراچی سے ہندوستان گئے تو کچھ زیادہ دن وہاں رہ پڑے۔ ایک دن گلی سے گزرے تو لڑکی گویا خود سے بولی: "اسے دیکھو لڑ کا گھر میں بیمار پڑا ہے اور یہ یہاں پھر رہا ہے۔" انہیں بھی کچھ اضطراب لاحق ہوا اور وہاں سے روانہ ہو کر کراچی گھر میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ لڑکا سخت بیمار تھا اور اِن کا شدت سے انتظار ہو رہا تھا۔ چنانچہ اِن کے آنے پر علاج معالجہ سے وہ رو بصحت ہونے لگا۔

اس زمرۂ ابدال میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں۔ کئی سال پہلے جب یہ فقیر قلات (بلوچستان) میں تھا۔ ایک دوست نے کہیں کہہ دیا کہ فلاں عورت جو بازار میں یا سڑکوں پر پھرا کرتی ہے، شاید ابدالوں میں سے ہے۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کی میانہ قد کی، کسی معزز خاندان کی، بلوچ عورت تھی اور بلوچی زبان میں تیز تیز درشت لہجے میں باتیں کرتی ہوئی گھوما کرتی تھی۔ کبھی کبھی کسی کے ہاں بیٹھ بھی جاتی تھی لیکن کسی کو اُس سے زیادہ بات کرنے کی مجال نہ تھی۔ ڈانٹ دیتی اور کبھی کبھی پیٹ بھی دیتی تھی گو ایسی نوبت کم ہی آتی تھی کیونکہ لوگ اُسے جانتے اور اُس کا احترام کرتے تھے۔ ایسی باتوں کے بارے میں اُس دَور میں اپنا مَبلغِ علم بھی کم تھا۔ بے خیالی میں فیصلہ سُنا دیا کہ عورتوں کو انتظام پر نہیں لگاتے اور دلیل یہ دے ڈالی کہ عورتیں پیغمبر نہیں ہوتیں۔ اُس دوپہر جب قیلولہ کے لئے لیٹا تو خواب میں اپنے تئیں قلات کے بازار کے چوک میں کھڑا پایا اور پھر دیکھا کہ وہ عورت تیزی سے چلتی ہوئی آئی اور عین چوک کے درمیان آ گر دونوں بازو سیدھے آگے تان کر دُعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے۔ کچھ اور لوگ بھی ذرا فاصلے پر کھڑے نظر آئے۔ اُنہوں

نے بھی دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور بس منظر ختم ہو گیا۔ مجھ فقیر کو تنبیہ ہو گئی کہ وہ بات غلط تھی۔ عورتوں میں سے بھی ابدال ہوتی ہیں اور وہ عورت ان میں سے ایک تھی۔ جب کام دعا اور توجہ باطنی کا ہے تو عورت بھی یہ کر سکتی ہے۔ بعد ازاں ایک دو مشکلات اس فقیر کی اس عورت کی توجہ سے رفع ہوئیں۔ سُنا ہے، اب اُس کا انتقال ہو چکا ہے۔

تذکرہ غوثیہ میں حضرت غوث علی شاہ قلندرؒ نے ایک بچے کا ذکر کیا ہے۔ جسے انہوں نے راج گڑھ سے آگے ایک گاؤں کے تکیہ میں دیکھا۔ وہ لڑکا کچھ کھاتا پیتا نہ تھا۔ ہر وقت گویا مخمور حالت میں اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا تھا۔ پھر اُس لڑکے نے ایک دن جنگل کی راہ لی اور وہاں ایک پُراسرار بوڑھے آدمی سے جا ملا۔ اُس کا باپ ساتھ ساتھ گیا۔ مگر بالآخر اُس بچے نے باپ سے کہا۔ "بابا، میں مجبور ہوں۔ مجھ کو خدا تعالےٰ نے صرف اپنے کام کے لئے پیدا کیا ہے نہ کسی اور کام کے لئے۔ تم بھی مجھے خدا کے سپرد کرو اور اپنے گھر کو چلے جاؤ"۔ باپ جب واپس ہوا تو جس راہ کو اُس نے چند گھنٹوں میں طے کیا تھا۔ وہ کئی دنوں کی راہ نکلی۔ اس کے بعد اُس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ یہ لڑکا بھی دراصل پیدائشی ابدال تھا۔ جو بالآخر اپنے گروہ سے جا ملا[1]۔

فوائد الفواد میں حضرت خواجہ نظام الدین والحق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ مردانِ غیب جسے قابل دیکھتے ہیں اور طاعت و مجاہدہ میں عالی ہمت پاتے ہیں، اُسے اٹھا لے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ بدایوں میں نصیر نام کا ایک نوجوان تھا۔ میں نے اُس سے سُنا۔ وہ کہتا تھا کہ میرے والد

---

[1] تذکرۂ غوثیہ: ارشاد ۵۵

واصلینِ حق میں سے تھے۔ ایک رات دروازے کے باہر سے اُنہیں آواز دی گئی۔ وہ باہر گئے۔ ہم نے اندر سے السلام علیکم و علیکم السلام سُنا۔ پھر ہم نے اس قدر سنا کہ ہمارے والد کہہ رہے تھے کہ میں بچوں اور گھر والوں کو الوداع کہہ لوں۔ اُنہوں نے کہا۔ اتنی فرصت نہیں۔ اِس کے بعد ہمیں معلوم نہیں ہوا کہ وہ لوگ اور ہمارے والد کہاں ہیں"۔ ایک دو اور واقعات بیان فرمائے اور مجلس کے اختتام پر فرمایا کہ "مردانِ غیب پہلے آواز دیتے ہیں اور بات سُنواتے ہیں۔ اس کے بعد ملاقات کرتے ہیں۔ پھر اڑا لے جاتے ہیں"۔ [۱]

غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم سے روایت ہے کہ ایک رات حضرت شیخؒ معمول سے کچھ پہلے بیدار ہو گئے اور حجرے سے نکل کر شہر کے دروازے کی طرف چل دیئے۔ خادم بھی اُن کے پیچھے ہو لیا۔ دروازے پر پہنچے تو دروازہ از خود کھُل گیا۔ شہر سے باہر نکلے تو تھوڑی دور جا کر ایک جنگل آ گیا۔ اُس میں چلتے گئے۔ یہاں تک کہ ایک سرائے میں جا پہنچے۔ وہاں چھ آدمی باہر بیٹھے تھے اور اندر کراہنے کی آواز آ رہی تھی۔ حضرت شیخؒ کی تعظیم کے لئے وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے ایک نے حضرت شیخؒ سے کہا کہ بس اب کچھ سانس باقی ہیں۔ حضرت شیخؒ اندر تشریف لے گئے اور کمرے میں جاں بلب شخص نے اُن کے سامنے آخری سانس لی۔ حضرت شیخؒ باہر تشریف لائے۔ ان میں سے ایک بڑی بڑی مونچھوں والے شخص کی مونچھیں درست کیں۔ اُسے کلمۂ طیبہ پڑھنے کے لئے کہا اور حاضرین سے فرمایا: "مجھے امر ہُوا ہے کہ یہ شخص میت کی جگہ میں ابدال ہو"۔ ان لوگوں نے آپ کے اس فرمان پر سرِ تسلیم خم کیا اور

---

[۱] فوائد الفواد: پندرھویں مجلس

آپ نے واپسی کی راہ لی۔ خادم بھی ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ شہر کا دروازہ پھر اُسی طرح کھلا اور آپ اپنی رہائش گاہ میں آکر اپنے معمولات میں مشغول ہو گئے۔ دوسرے دن خادم نے اُس واقعہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: جہاں ہم پہنچے وہ شہر نہاوند تھا اور وہ چھ آدمی جو تو نے دیکھے، ابدال کے گروہ میں سے تھے۔ مرنے والے کی جگہ جس آدمی کا تقرر کیا گیا، وہ قسطنطنیہ کا عیسائی تھا۔ مگر اپنی عبادت وریاضت کی وجہ سے اس قابل تھا کہ اُسے ابدال مقرر کیا جائے۔ چنانچہ اُس نے اسلام قبول کیا اور اُس کی جگہ ابدال مقرر کیا گیا[1]۔

اِن چند واقعات سے ظاہر ہے کہ بعض لوگ ایسی وہبی قوتیں لے کر پیدا ہوتے ہیں کہ ہوش سنبھالتے ہی ابدالوں میں شامل ہو جاتے ہیں (خواہ وہ مرد ہوں یا عورت) اور بعض کو اُن کے اعمال اور روحانی خصوصیات دیکھ کر منتخب کر لیا جاتا ہے اور وہ ابدالوں کی تنظیم میں شامل ہو جاتے ہیں۔

ابدالوں کا رہن سہن

ابدالوں کے لئے کوئی جگہ یا مقام ایسا مخصوص نہیں ہے کہ وہ وہاں رہیں۔ وہ کہیں بھی رہ سکتے ہیں۔ شہروں میں بھی رہتے ہیں اور دیہات میں بھی۔ جنگلوں میں بھی رہتے ہیں اور صحراؤں میں بھی۔ لیکن ان کے کام کی نوعیت ایسی ہے کہ اُنہیں اپنے علم اور کشف اور کام کو مخفی رکھنا پڑتا ہے۔ لہٰذا یہ پُراسرار ہوتے ہوئے بھی پُراسرار نظر نہیں آتے۔ اِن میں سے بعض کو سفر کرتے ہوئے کام کرنا ہوتا ہے اور بعض کو مقیم ہو کر۔ جیسی بھی صورتِ حال ہو، اِن پر لازم ہے کہ اپنے آپ کو چھپا کر رکھیں۔ شیخ عبدالکریم الجیلیؒ رجال غیب کی اس قسم کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

[1] زبدۃ الآثار از حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص ۸۰

"وہ رجال ہیں جو بیابانوں میں رہتے ہیں۔ وہ بھی عالم میں ایک مرتبہ رکھتے ہیں اور وہ بنی آدم کی جنسوں سے ہیں۔ آدمیوں پر ظاہر ہوتے ہیں اور پھر غائب ہو جاتے ہیں۔ ان سے کلام کرتے ہیں۔ ان کا جواب دیتے ہیں۔ یہ اکثر پہاڑوں، بیابانوں، وادیوں اور نہروں کے کناروں پر رہتے ہیں۔ ہاں ان میں سے جو قادر ہے، وہ شہر میں عمدہ مکان اور اچھا مقام بنا لیتا ہے لیکن شہر کی طرف اُس کا کچھ شوق نہیں ہوتا اور اس پر اُس کا کچھ اعتماد نہیں ہوتا۔"[1]

حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "ابدالیہ" میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:

"وہ ابدال ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں۔ بیت الخلاء میں جاتے ہیں۔ بیمار ہوتے ہیں۔ معالجہ کرتے ہیں اور بیمار ہونے کے باوجود حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ وہ زیادہ تر گھر پر نہیں رہتے بشرطیکہ وہ بیمار نہ پڑ جائیں۔ وہ حمام میں بھی جاتے ہیں۔ غُسل کی اجرت دیتے ہیں لیکن اُن کا قطب اپنے مقام پر موجود رہتا ہے۔ اُس کی عمر لمبی ہوتی ہے۔"[2]

اس سے معلوم ہوا کہ اکثر یہ لوگ معاشرہ میں عام لوگوں کی طرح رہن سہن رکھتے ہیں مگر وہ جو کہتے ہیں کہ عوام میں ہی خواص ہوتے ہیں، یہ عوام کے ساتھ رہ کر ہی خاص کام کرتے ہیں۔ کبھی کبھی اپنے تئیں چھپانے کا خاص اہتمام بھی کرتے

---

[1] انسان کامل از شیخ عبدالکریم الجیلیؒ ترجمہ فضل میراں ص ۲۹۶

[2] ابدالیہ از مولانا یعقوب چرخیؒ ص ۲۷ (ترجمہ اُردو)

ہیں تاکہ شہرت نہ ہو اور وہ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔

فقیر کو ایک بار غیب سے مطلع کیا گیا کہ آج کل ابدال زیادہ تر شہروں میں رہتے ہیں۔ بعد میں اہلِ خدمات میں سے ایک ملے۔ اُنہوں نے اس کی تصدیق کی۔ آج کل چونکہ مسائل و مشکلات شہروں میں زیادہ ہیں۔ اس لئے باطنی توجہ، مدد اور خدمت کی ضرورت شہروں کے لوگوں کو ہے۔ لہٰذا یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ ابدال آباد علاقوں میں آس پاس ہی موجود ہوتے ہیں۔

ابدالوں کے تصرّفات

اب یہ دیکھئے کہ ابدال کس طرح ظاہر و باطن میں تصرف کرتے ہیں اور اُن کا طریقۂ کار کیا ہے۔ بہجۃ الاسرار میں روایت ہے کہ حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک بار مغلوں کی فوج نے بغداد کا محاصرہ کر لیا اور شہر کے باہر ڈیرے ڈال دیئے۔ لوگ گھبرائے ہوئے حضرت شیخؒ کے پاس حاضر ہوئے اور دعاو پناہ کے لئے ملتجی ہوئے۔ آپ کو ان کی حالت پر رحم آیا اور ایک آدمی سے کہا کہ وہ شہر سے باہر مغلوں کی فوج کی آخری حد پر چلا جائے۔ وہاں دو تین آدمی ایک چادر تان کر اُس کے سائے میں بیٹھے ہوں گے۔ ان سے جا کر کہے کہ وہ چلے جائیں۔ اگر وہ کہیں کہ ہم تو حکماً آئے ہیں تو اُنہیں کہا جائے کہ اب حکم یہی ہے، یہاں سے چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ آدمی مغل فوج کے کیمپ میں پہنچا اور آخری حد پر اُس نے واقعی دو تین آدمیوں کو چادر کے سائے میں بیٹھا ہوا پایا۔ اُس نے انہیں حضرت شیخؒ کا پیغام دیا تو اُنہوں نے کہا کہ ہم تو حکم سے یہاں آئے ہیں۔ جب انہیں بتایا گیا کہ اب حکم یہی ہے تو اُنہوں نے چادر اتار لی اور چلنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اُن کی اس حرکت کے ساتھ دیکھا گیا کہ تمام لشکریوں نے اپنے خیمے اکھاڑنے شروع کر دیئے اور واپس کوچ کی تیاری کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں مُغل فوج نے محاصرہ

اٹھالیا۔ اور بغداد کی حدود سے رخصت ہوگئی۔[1]

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا ایک واقعہ اُن کے ایک عقیدت مند اور مرید نواب صاحب بیان کرتے ہیں کہ دہلی کے گردو نواح میں قحط پڑ گیا۔ دیہات کے کچھ لوگ حضرت شاہ صاحبؒ کے پاس آکر دعا و رفعِ بلا کے لئے ملتجی ہوئے۔ انہوں نے فرمایا: یہ مصیبت یوں رفع نہیں ہوگی۔ اس کے لئے کسی بزرگ سے دعا کراؤ۔ اُنہوں نے کہا: پھر آپ ہی کچھ پتہ بتائیے۔ شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اربابِ نشاط کے کوچے میں چلے جاؤ، وہاں تمہیں ہیجڑوں کا ایک گروہ ملے گا۔ اُن میں جو زیادہ تالیاں بجاتا ہوگا، اُس کو جا کر کہو کہ وہ دعا کرے۔ چنانچہ وہ لوگ وہاں گئے۔ انہیں ہیجڑوں کا ایک گروہ اور اُن میں ویسا ایک شخص ملا۔ اُسے پیغام دیا تو اُس نے تالی بجا کر کہا کہ میں کہاں اور دعا کہاں، شاہ صاحب نے مذاق کیا ہوگا۔ مگر جب یہ لوگ نہ ہٹے تو بالآخر اُس نے کہا۔ اچھا شاہ صاحب کو عرض کر دیجئے کہ آج شام خواجہ نظامُ الدین اولیاء کی درگاہ پر آکر دعا کریں گے۔ وہ بھی تشریف لائیں۔ شاہ صاحبؒ کو انہوں نے آکر بتایا۔ شاہ صاحبؒ بھی شام کو اپنے شاگردوں کے ہمراہ درگاہ پر پہنچ گئے۔ دیکھا تو تمام خواجہ سرا صف میں بیٹھے تھے اور شاہ صاحب بھی اُنکے سامنے بیٹھ کر مراقبے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں بزرگوں نے سر اُٹھایا اور کہا کہ قبولیت کا دروازہ کھلا ہے جو دعا کرو گے، قبول ہوگی۔ حاضرین نے دعائیں مانگیں لیکن ان دونوں بزرگوں نے صرف بارش کے لئے دعا کی۔ دعا ختم ہوتے ہی دور سے بجلی چمکتی دکھائی دی اور ہوا چلنے لگی۔ شاہ صاحبؒ نے کہا۔ اب جلدی جلدی گھر چلو ورنہ بھیگ جاؤ گے۔ خوب بارش ہوئی اور قحط دور ہو گیا۔[2]

---

[1] بہجۃ الاسرار

[2] کمالاتِ عزیزیہ مرتبہ نواب مبارک علی خان ص ۲۹

غوث علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے سفروں کے درمیان ایک آدمی نے بتایا کہ وہ گھر سے جاکر کہیں کسی راجہ یا نواب کے ہاں ملازم ہوگیا۔ وہاں کسی حریف ریاست کے خلاف جنگ چھڑ گئی جس میں بہت لوگ ہلاک اور زخمی ہوئے۔ یہ بھی زخمی ہوا۔ اتنے میں دیکھا کہ کچھ برہمن پانی لے کر پہنچے ہیں اور زخمیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ اُس کے پاس بھی ایک برہمن پانی لے کر آیا مگر اُس نے کافر جان کر اُس کا پانی پینے سے انکار کر دیا۔ اُس نے کان میں کہا: پانی پی لو، میں خضر ہوں اور یہ لوگ ابدال ہیں۔ اُس نے پوچھا، پھر یہ کیا شکل بنائی ہے۔ اُس نے کہا اگر ایسا نہ کرتے تو یہ لوگ جو سب ہندو ہیں کسی غیر مذہب کے ہاتھ سے پانی نہ پیتے اس لئے تم پی لو۔ اس نے کہا۔ اگر ایک بار پھر آگر کہیں مجھے ملو تو پیتا ہوں۔ اُس نے وعدہ کیا۔ پھر کئی برس بعد ایک سپاہی اُن کے گھر آیا اور کہا۔ آپ سے وعدہ تھا اس لئے آگیا ہوں۔ یہ نہ پہچانے۔ اُس نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ اچھا، اب جاتا ہوں۔ اُس کے جاتے ہی اُنہیں خیال آیا۔ کہیں یہی آدمی خضر نہ ہو لیکن وہ غائب ہو چکا تھا۔[1]

جن دنوں ہندوستان کی آزادی اور تقسیم کا مسئلہ درپیش تھا۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ نے رات کے دو بجے اپنے دو ساتھیوں کو طلب کر کے بتایا کہ اصحاب باطن نے ہندوستان کی تقسیم کا فیصلہ کر دیا ہے اور ہندوستان کی تقسیم کے ساتھ بنگال اور پنجاب کو بھی تقسیم کر دیا۔ اس پر اُن میں سے ایک نے کہا کہ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ اس پر مولانا مدنیؒ نے کہا کہ ہم لوگ ظاہر کے پابند ہیں۔ جس بات کو حق سمجھتے ہیں، وہ کہتے رہیں گے۔[2] فقیر کو ایک ذریعہ سے پتہ چلا ہے۔ کہ اُس زمانہ میں قطب الاقطاب

---

[1] تذکرۂ غوثیہ ارشاد ۶۵

[2] شیخ الاسلام از رشید احمد صدیقی ص ۱۶۲

مولانا عبدالسلام نیازی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ہوسکتا ہے، انہوں نے یا کسی اور نے مولانا کو خبر دی ہو۔ مولانا کو اُسی طرف سے وہیں رہنے کی ہدایت کی گئی تھی کہ کوئی وہاں مسلمانوں کا پُرسان حال بھی ہو۔ واللہ اعلم بالصّواب۔

ممتاز مفتی نے "لبیک" میں ایک ایڈووکیٹ کا ذکر کیا ہے جو اہل خدمات میں سے تھے۔ ۱۹۶۵ء کی ہندو پاک جنگ میں وہ صدر ایوب مرحوم کو خطوط کے ذریعہ ہدایت بہم پہنچانے پر مامور ہوئے۔ الیکشن کے بارے میں اُنہوں نے ایوبؔ کو لکھا تھا۔ "یہ طرز عمل اختیار نہ کیجیئے۔ کامیاب ہوجاؤگے لیکن بے عزتی ہوگی"۔ ۱۹۶۵ء کے سیز فائر سے بہت پہلے اُنہیں خبردار کیا کہ سیز فائر نہ کیا جائے اور اگر امر مجبوری ہو تو صرف چند گھنٹوں کے لئے۔ پھر تاشقند سے پہلے اُنہیں لکھا گیا کہ وہاں نہ جائیں اور کچھ نہ کرسکیں تو نمائندہ بھیج دیں، نہیں تو باعث تذلیل ہوگا۔ لیکن صدر ایوب نے اس کے برعکس کیا۔ وہ ایڈووکیٹ صاحب حج پر تشریف لے گئے وہاں روحانیین کی ایک اعلیٰ کانفرنس میں شرکت کی۔ صدر ایوب کو ہٹانے کا فیصلہ ہوا۔ انہوں نے صدر موصوف کو بھی اس سے مطلع کر دیا۔ "صدر ایوب نے ناراض ہو کر ایڈووکیٹ صاحب کے پیچھے پولیس لگادی۔ ایڈووکیٹ صاحب کا تو کچھ نہ بگڑا۔ لیکن ایوب خان کی صدارت کا تیر ضرور کمان سے نکل گیا"۔[۱]

بعض اوقات قطب ارشاد خواب میں کسی واقعہ کو متمثّل دیکھتا ہے اور حالات اس کے مطابق رخ اختیار کرلیتے ہیں۔ اس میں زمرہ ابدال کے لوگ اور تمام روحانیین مؤید اور مُمِد ہوجاتے ہیں۔ فیوض الحرمین میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک رؤیاء بیان فرمایا ہے۔ آپ نے اپنے آپ کو قائم الزّمان (قیوم یا قطب

---

[۱] لبیک از ممتاز مفتی حصہ اول "ہائی لیول کانفرنس"

الاقطاب) کے طور پر دیکھا کہ کفار کا بادشاہ مسلمانوں پر غالب آگیا ہے اور اُس نے اُن کے مالوں کو لوٹ لیا اور اولاد کو غلام بنا لیا اور شہر اجمیر میں کفر کی باتوں کو رائج کر دیا ہے۔ نتیجۃً اللہ تعالےٰ زمین والوں پر بہت ناراض ہوا اور یہ غضب شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی جانب مترشح ہوا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے تئیں ایک فوج کے درمیان پایا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ سب اُن کے غضبناک ہونے کی بناء پر غضبناک ہیں اور دریافت کر رہے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالےٰ کا حکم کیا ہے۔ آپ نے انہیں قتال کا حکم دیا۔ یہاں تک کہ اب شہروں پر شہر فتح ہونے لگے حتیٰ کہ ایک موقعہ پر کافروں کے بادشاہ کو پکڑ کر ذبح کر ڈالا گیا۔ فرماتے ہیں: "جس وقت میں نے خون کو دیکھا کہ اُس کی رگوں سے فوارہ کی طرح نکل رہا ہے تو میں نے کہا کہ اس وقت رحمت نازل ہوئی ہے"۔ چنانچہ وہی قتال کرنے والے مسلمان رحمت کا مظہر بن گئے۔ اس خواب میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے تئیں اللہ کے نظام الخیر کے جارحہ کیطور پر دیکھا جو اللہ کی مراد کا انجام کر رہا ہے۔ بعد میں ایسا ہی ہوا کہ جاٹوں اور مرہٹوں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کی جنگ ہوئی۔ بہت مارے گئے۔ مرہٹہ سردار کام آیا اور مسلمانوں کے لئے امن وعافیت کی صورت پیدا ہوئی[1]۔

ایک بار اس فقیر نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا۔ پاکستان میں حکومت کی دعدہ خلافیوں کی وجہ سے حالات دگرگوں رنگ اختیار کر چکے تھے۔ اس فقیر نے اپنے آپ کو ایک اولی الامر بادشاہ کے رنگ میں ایک عالی شان قلعے کی سیڑھی پر سرو قد کھڑے ہوئے دیکھا۔ دُور سے لوگوں کی چیخ پکار اور شور کی آواز سنائی دی۔ اتنے میں دیکھا کہ لوگ ایک باغی کو ارد گرد سے گھیرے پکڑے ہوئے لا رہے ہیں۔ سامنے آ کر

---

[1] فیوض الحرمین از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی مترجمہ عابد الرحمٰن صدیقی صفحہ ۲۶

نیچے کی سیڑھی کے سامنے وہ رُک گئے۔ وہ باغی قلیل کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اُس کے موٹے موٹے گداز بازو ننگے تھے اور پنڈلیاں بھی نظر آ رہی تھیں۔ سر پر بھی کچھ نہ تھا۔ مگر وہ اُن کے درمیان گھرے ہوئے بھی نہایت دلیر اور بے باک دکھائی دے رہا تھا۔ اُس نے آتے ہی دہائی دی کہ میری درخواست پر بھی تو غور کیا جائے۔ اس پر فقیر کے منہ سے نکلا "ہاں تمہاری درخواست پر غور کیا جائے گا" اور بس منظر ختم ہو گیا۔ بعدازاں اُس حکمران کو عوام کا باغی متصور کیا گیا اور سزا ہو گئی۔ فقیر کا خیال ہے کہ یہ رویاء کسی اور صاحبِ وقت بزرگ ہستی کے مثالی تصور کا عکس تھا جو اس فقیر کی روح پر پڑا یا ملاءِ اعلےٰ کے کسی سردار کے اقتضاء کا انکشاف تھا۔ دونوں صورتوں میں بات ایک ہی ہے۔

حضرت مجددؒ الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک صاحبزادے کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ ایک ہلاکت خیز وبا پھیلی اور لوگ مرنے لگے۔ وہ صاحبزادے بیمار ہوئے اور وفات پائی۔ اس پر وہ وبا تھم گئی اور اُس کی سختی ختم ہو گئی۔ حضرت مجددؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اُن کی وفات لوگوں کی جانوں کے لئے کفارہ بن گئی اور وہ وبا کی وجہ سے مزید اموات سے بچ گئے۔ مجددؒ صاحب نے لکھا: "بتاریخ نہم ربیع الاول روزِ دوشنبہ فرزندِ مرحوم خواجہ محمد صادق بجوارِ رحمتِ حق پیوست و خود را فدائے عمومِ خلق ساخت انا للہ وانا الیہ راجعون۔ فوتِ ایشاں وتسکین در وبا محسوس گشت و مردمِ شہر در واقعات دیدند۔ میاں محمد صادق می فرمایند کہ ایں بلا را من برخود گرفتم۔ دو روز است کہ در شہر تسکین است"[1]

(ربیع الاول کی نو تاریخ کو دوشنبہ کے دن مرحوم فرزند خواجہ محمد صادق کا انتقال ہو

---

[1] حضرات القدس از بدرالدین سرہندی ۲۴۰

ہوگیا۔ اور انہوں نے اپنے کو عام خلقت کے بچاؤ کے لئے قربان کر دیا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اُن کی وفات پر وبا میں تسکین محسوس ہوئی۔

اور شہر کے لوگوں نے خواب میں دیکھا کہ میاں محمد صادق کہتے ہیں کہ یہ بلا میں نے اپنے اوپر لے لی ہے۔ اب دوسرے دن سے شہر میں سکون ہے)

اس قسم کے واقعات صوفیاء کے تذکروں اور تاریخ کی کتابوں میں عام ملتے ہیں۔ عام قاری کم علمی یا بے خیالی کی بناء پر ان کو اُن کے پورے مفہوم کے ساتھ سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ غور کیا جائے تو ان واقعات و مشاہدات سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر و باطن میں جو حالات و واقعات رونما پذیر ہو رہے ہیں اُن کے پیچھے زیادہ تر رجال غیب کا ہاتھ ہوتا ہے۔

محرّک اور نگران

ابدال رجالِ غیب کی ایک جماعت ہیں ورنہ جیسا کہ شیخ عبدالکریم الجیلی رحمتہ اللہ علیہ نے بیان فرمایا، رجالِ غیب میں تو فرشتے، ارواحِ مقدسہ اور دیگر کئی اور قوتیں سب شامل ہیں جو اللہ کی مشیت کی تعمیل میں سرگرم کار رہتی ہیں۔ گویا ہم ابدالوں کے کام کے بارے میں اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ ظاہر کی سطح پر رونما ہونے والے بیشتر واقعات اور تبدیلیوں کے پیچھے ابدال خود محرّک ہوتے ہیں یا پھر اُن کی نگرانی میں معاملات سرانجام پا رہے ہوتے ہیں۔ یہاں یہ سوال نہیں کیا جا سکتا کہ اگر ایسا ہے تو پھر ظاہر میں خرابی کیوں پیدا ہوتی ہے۔ اول تو یہی درست نہیں کہ ابدالوں کے نزدیک بھی صحیح کام وہی ہے جسے ہم ظاہر میں صحیح سمجھتے ہیں۔ خضرؑ و موسیٰؑ کے واقعہ سے ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک وہی کام خراب تھا جو خضرؑ کے نزدیک صحیح تھا۔ گو بعد میں سمجھانے پر موسیٰؑ کو بھی معلوم ہو گیا کہ مصلحت اُسی کام میں تھی جو خضرؑ نے کیا۔ مگر جاننا چاہیئے کہ ابدال اگر کسی بستی کی ویرانی کے محرک بنتے ہیں تو یہ بھی اس لحاظ سے اُن کے نزدیک عین

صواب ہوتا ہے کہ بعد ازاں نئی آبادی بہتر ہوگی۔ لیکن محدود نکتۂ نظر سے سوچنے والے یا مرنے والے تو اسے اپنے لئے عذاب ہی سمجھتے ہوں گے۔ لہٰذا اپنی سطح پر دونوں صحیح ہیں۔ اسی لئے تو اللہ کی تقدیر کو بہر حال برحق مانا جاتا ہے۔

ابدال تصرّف ضرور کرتے ہیں اور اُن کے تصرّفات کی مثالیں بے شمار ہیں۔ بظاہر یہ اِن تصرفات میں خود مختار اور آزاد دکھائی دیتے ہیں مگر اُن کی اپنی حالت یہ ہوتی ہے کہ نظر ان کی ستّرِ قدر پر رہتی ہے۔ جو کچھ ان پر القاء یا کشف ہوتا ہے، وہ اُس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

ابدال اور تقدیر

اب پوچھا جا سکتا ہے۔ پھر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ کے بیان کے مطابق کوئی شخص فلاں بزرگ کے پاس پہنچا تو اُس کی دُعا سے بلا ٹل گئی یا اُس نے توجہ باطنی سے حالات میں تصرف کر کے اُن کا رُخ موڑ دیا۔ تو اس اشکال کو رفع کرنے کے لئے تھوڑا سا تقدیر کے عمل کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ مختصراً یوں سمجھیئے کہ کائنات کے ہر لمحے کا حال اور ہر ذرے کی حرکت اللہ کے علم میں ہے۔ وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ط الانعام۔۸۰ (میرے رب کے علم میں سب چیز کو سمائی ہے) سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے اور اسی کے مطابق زمان و مکان میں ظہور ہو رہا ہے۔ مگر اب نیچے تقدیر کو دیکھئے تو جو کچھ اوپر سے نازل ہوتا ہے اُس کی شکلیں پہلے عالم مثال میں بنتی ہیں۔ اہل کشف بلا یا انعام کے اس نزول کو عالم مثال میں دیکھ لیتے ہیں اور اللہ کے حضور میں دعا، تضرّع یا زاوی سے اُس کے رفع و حصول میں تبدیلی لانے والے بنتے ہیں۔ ایک شکل عالم مثال سے اُن کے تصرف سے محو ہو جاتی ہے اور دوسری کا اثبات ہوتا ہے۔ تو اس طور پہ بننا بگڑنا اور محو و اثبات عالم مثال میں جاری رہتا ہے اور یہ سب کچھ اللہ کے علم کے مطابق ہو رہا ہوتا ہے۔ اکثر بزرگوں یا ابدالوں کی

رسائی تو یہیں تک ہوتی ہے لیکن ان میں سے مقرّبین کبار لوحِ محفوظ تک دیکھتے ہیں اور یوں کسی تقدیر کے بارے میں حتمی خبر بھی دے دیتے ہیں۔

تصرّفات: بذریعہ دُعا و توجہ باطنی

ابدالوں کی جو صفت بار بار بیان کی گئی ہے، وہ اُن کی دُعا گوئی ہے۔ وہ دعا کرتے ہیں اور اللہ کے نزدیک مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ دراصل ان کا پورا وجود دُعا ہوتا ہے اور وہ ہر وقت امت کے لئے دعا میں مصروف رہتے ہیں۔ بعض بزرگوں کے اوراد میں اس ورد اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ لِاُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اَللّٰھُمَّ انْصُرْ لِاُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ کے بعض جملوں کی فضیلت حدیث میں بھی نقل کی گئی ہے اور اس کی شرح میں پوری دعا کے بارے میں امام غزالیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد ایک مرتبہ یہ دُعا پڑھے، تو خدا اُس کو ابدالوں کا درجہ عطا کرے گا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابدال رحمتِ عام کی زبان و مثال ہوتے ہیں اور جو بھی عوام الناس یا امت کے لئے دعا کے ذریعہ اس میں ان کا مؤید ہوتا ہے، وہ اُس کے قریب آجاتے ہیں اور نتیجۃً وہ بھی ان کے قریب ہو جاتا ہے۔

اُن کے دلوں میں خلقِ خدا کی ہمدردی اس قدر ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت ان کی فلاح کی خاطر مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ اسی ہمدردی میں وہ نہایت سوز کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور دعا کی قبولیت کے لئے پہلی اور آخری شرط یہی درد اور آہ اور تضرّع ہے۔ ابدال اس شرط کو پورا کرتے ہیں۔ اگر کہیں کوئی ابدال بد دعا بھی کرتا ہے تو اُس کے پیچھے بھی وہی خیر کا پہلو ہوتا ہے۔ یہ دعا موسیٰ علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کی دعاؤں کی طرح ہوتی ہے کہ ظالموں کی ایک نسل ہلاک ہو جائے تو پھر دوسری نسل سنور سکتی

ورنہ فساد کا یہ سلسلہ لا متناہی زمانوں تک جاری رہے گا[1]۔ اس معاملہ کے پیچھے بھی ظاہر ہے، آنے والی نسلوں کی خیر خواہی منظور رہے۔

یہ ابدال اپنی فطرت کے لحاظ سے اس قدر لطیف قلوب و طبائع رکھتے ہیں کہ ہر آن یہ اپنے آس پاس ہونے والے واقعات سے اثرات قبول کرتے رہتے ہیں اور ہر آن اُن پر اثر انداز بھی ہوتے رہتے ہیں اور اُن کا اثر انداز ہونا اپنی طبیعت کے رنگ میں ہوتا ہے۔ اسی لئے کہتے ہیں، جیسی کسی ولایت کے ابدال کی طبیعت ہوتی ہے، اُس کے مطابق اُس کے حلقہ میں حالات رخ اختیار کرتے ہیں اگر طبیعت کا سخت ہوگا تو لوگوں کے درمیان ظاہری معاملات میں بھی وہی سختی آجائے گی اور ٹکراؤ کی صورت نمایاں رہے گی اور اگر نرم ہوگا تو لوگوں کے درمیان بھی محبت و رأفت ہوگی۔ اس بات کو جس طور سے بھی سمجھا جائے حقیقت یہی ہے۔

جب یہ ابدال سرگرم عمل ہوتے ہیں اور خدمت پر کمربستہ ہو کر باہر نکلتے ہیں تو پھر جہاں جیسے بھی کوئی شخص مشکل میں نظر آئے، اُس کی مدد کو پہنچتے ہیں۔ اللہ کی مشیّت پر نظر رکھتے ہیں اور اُس کے مطابق اپنی توجہ سے ایسے کام بھی کرتے ہیں جو ظاہر بین نگاہوں میں خطا دکھائی دیں۔ اُس وقت مشیت کے نفاذ میں اُن کا نقطۂ نظر ظاہری عدالتوں کے ججوں یا انتظامیہ کے ارکان کی طرح معروضی ہوتا ہے۔ اُس وقت یہ اپنی محیرّ العقول طاقتیں کام میں لاتے ہیں اور کام کرتے ہیں۔

تذکروں میں کئی بزرگوں کی توجہ باطنی کے تصرفات کے بے شمار واقعات مل سکتے ہیں۔ یہ توجہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔ مار سکتی ہے، مرنے والے کو جلا سکتی ہے، پتھر دل کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے، ذہنوں سے کسی بات کو محو اور دوسری کا اثبات کر سکتی

---

[1] یونس: ۸۸ نوح: ۲۷

ہے، کوئی جرم کرنے جارہا ہو تو ایک آن میں غیر محسوس طریقے پر اُس کی نیت کو تبدیل کر سکتی ہے غرضیکہ توجہ باطنی کے ذریعہ تصرفات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور ابدال اس سے بہت کام لیتے ہیں۔

طے الارض اور دوسری قوتیں

علاوہ ازیں ابدالوں کو اور بہت سی قوتیں دی جاتی ہیں کہ وہ ایک جگہ سے قلیل وقت میں دوسری جگہ جا سکتے ہیں۔ خواہ فاصلہ سینکڑوں میل کا ہو۔ ایک جگہ حاضر رہ کر دوسری جگہ اپنے مثالی پیکر کے ذریعہ حاضر ہو سکتے ہیں۔ بہت دور بیٹھے ہوئے کسی بزرگ سے مکالمہ و مخاطبہ کر سکتے ہیں۔ اپنی روح کو کسی شیر یا سانپ میں داخل کر کے کسی کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ یہ سب قوتیں اِن بزرگوں کی ہیں جنہیں ہم ابدال یا اہل خدمات کہتے ہیں۔ ہندوستان کے بابا تاج دین ناگپوری رحمۃ اللہ علیہ اور مراکش کے سیّد عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے ایسے واقعات کئی مختلف الخیال لوگوں نے دیکھے اور سنے ہیں اور ان کی تصدیق کی ہے۔

پھر اُن کی باقاعدہ کچہری ہوتی ہے۔ جہاں یہ مل کر اہم امور کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں اور ظاہر میں اُنہی کے مطابق عمل پیرا ہوتے ہیں۔

یہ سوال پھر غیر متعلق ہو گا کہ ابدالوں کی اِن خدمات کے باوجود طبع جہاں کبھی کبھی ناساز کیوں ہو جاتی ہے؟ ایسا اس لئے ہوتا ہے کہ ابدالؑ تو اللہ کی کارگاہِ مشیت کے صرف ایک شعبہ کے ارکان ہیں۔ اللہ کے ہاں تو بے شمار عوامل تبدیلیاں لا رہے ہیں۔ چنانچہ ابدال کا اپنا دائرہ کار اور اختیار ہے۔ جہاں تک ہو سکتا ہے، وہ معاملات کو سنبھالے رہتے ہیں مگر کبھی کبھی اُن کے کام کی راہ میں رکاوٹیں بھی کھڑی ہو جاتی ہیں اور اُن کا عمل رُک جاتا ہے۔ لیکن یہ سب کچھ مشیت الٰہی کے تحت رو پذیر ہوتا ہے۔ جیسے تاتاریوں کی فوجیں چنگیز خان کی قیادت میں تاخت و تاراج کرتی ہوئی جب

بخارا میں داخل ہوگئیں تو کچھ لوگ دوڑے دوڑے باہر ایک بزرگ کی خانقاہ میں جاکر ان سے رفعِ عذاب کے لئے ملتجی ہوئے۔ انہوں نے فرمایا۔ "بھاگ جاؤ۔ اس وقت نسیمِ بے نیازی چل رہی ہے۔ جدھر کو ہو سکے نکل ہو جاؤ۔ اس کے سامنے کسی کی نہیں چل سکتی"۔

اس کے علاوہ ابدالوں کے تصرفات کے ساتھ اولیاء اللہ اور بھی کئی طرح سے طبعِ جہاں پہ اثر انداز ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً کسی قطب ارشاد کا تصور حقیقت، بن کر ظاہر ہوتا ہے یا کوئی ولی دوسروں کو بچانے کے لئے صدقہ کے طور پر اپنی جان قربان کر دیتا ہے۔ اس سلسلہ میں مثال کے طور پر دو واقعات پہلے بیان کئے جا چکے ہیں لیکن اور ہزار طریقے ہیں جن سے اللہ کی مشیّت اور تقدیر کام لیتی ہے۔ اس کا مکمل طور پر احاطہ کون کر سکتا ہے۔ وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیْمًا حَکِیْمًا الفتح : ۴ (اور اللہ کے ہیں لشکر آسمانوں کے اور زمین کے اور اللہ خبردار حکمت والا ہے) وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ المدثر۔ ۳۱ (اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر، مگر وہی آپ)

ابدالوں کے مناصب

رجالِ غیب کی جس قسم کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، اُن سب کو ابدال کہا جاتا ہے۔ جس طرح فوج میں جرنیل سے لے کر نیچے ایک پیادے تک سب کو سپاہی کہتے ہیں گو ان کے مناصب میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کے درمیان اس زمرے کو ابدال کہہ کر تمیز کرتے ہیں لیکن اپنی تنظیم میں اختیار اور فرائض کے لحاظ سے ان کے الگ الگ مناصب ہیں۔ اِن کے بھی ایسے ہی شعبے ہیں، جیسے ظاہر میں حکومتوں کے ہوتے ہیں اور ضبط و نظم ایسا ہے کہ کوتاہی پر سزا بھی ملتی ہے۔ اور وہ سزا معمولی نہیں ہوتی۔ صوفیاء کے تذکروں میں ان مناصب کی تفصیل کئی طرح سے ملتی ہے۔ بعض کچھ ایسے مناصب کا ذکر کرتے ہیں کہ دوسرے اُن کے متعلق کچھ نہیں کہتے۔ یہ شاید اس لئے ہے کہ بعض اہم عہدوں کے علاوہ کچھ نئے وضع کئے جاتے ہیں جو عارضی بھی ہو سکتے ہیں اور کچھ نیچے کی سطح پر ایسے ہوتے ہیں جو خالی بھی رہ سکتے ہیں گویا ظاہر کو دیکھ کر ان کے طریق کار پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔ تفصیلی جائزہ میں اوپر سے نیچے کی طرف تذکرہ آسان رہے گا۔

غوث سب سے اوپر غوث ہوتا ہے۔ جسے قطب الاقطاب، قطب مدار یا قطب الابدال کہتے ہیں اس لئے کہ یہ معدودے چند قطبوں میں سے چُنا جاتا ہے۔ اللہ کا یہ ولی جہان میں عند اللہ مستحقِ اجابت خیال کیا جاتا ہے اور

اِس کی باطنی توجہ آفاق میں پھیلی ہوتی ہے۔ ہر روز وہ اپنے اقطاب اور بزرگ ابدال کے ساتھ ایوان میں بیٹھتا ہے اور ایسے فیصلے صادر کرتا ہے جو براہِ راست حضرت باری تعالیٰ اور روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے اُس کے قلب و روح پر القاء کئے جاتے ہیں۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غوث عرش کے اوپر ستر ہزار پردوں کی خبر رکھتا ہے اور مراتب کے لحاظ سے وہ چھ قطبوں کا سا مرتبہ رکھتا ہے۔[۱] مراکش کے حضرت سیّد عبدالعزیز دباغ غوث الزمان تھے۔ انہوں نے اپنے عالم مرید احمد بن مبارک سلجماسی کو غوث کے بارے میں یہ معلومات بہم پہنچائیں:

غوث امت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوتا ہے۔ آپ کی طرف سے اُس کے قلب پر جو کچھ القا ہوتا ہے، اُس کے مطابق وہ آگے امر کو جاری کرتا ہے۔ روزانہ وہ زمرۂ ابدال کے ساتھ دربار میں بیٹھتا ہے اور امت محمدیہ اور اقوام عالم کے بارے میں فیصلے صادر کرتا ہے۔ کبھی کبھی خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس ایوان کی صادر کے لئے تشریف فرما ہوتے ہیں۔ جو امر اللہ کی طرف سے نازل ہوتا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ غوث کو پہنچتا ہے۔ پھر وہ امر ساتوں اقطاب پر پھیلتا ہے اور ساتوں اقطاب سے اہل مجلس پر۔

اگر غوث موجود نہ ہو تو مجلس میں اختلاف کی صورت ایسی ہو جاتی ہے کہ اختلاف کرنے والوں کو دنیا سے اٹھا لیا جاتا ہے۔ غوث کا رعب اس قدر ہوتا ہے کہ اُس کی موجودگی میں کوئی اپنا نچلا ہونٹ تک نہیں ہلا سکتا۔ چہ جائیکہ مخالفت کا لفظ منہ سے نکالے کیونکہ اور تو اور اس طرح اُس کے ایمان کے سلب ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ جب اہل دیوان کا اجتماع ہوتا ہے، تو اُس وقت سے دوسرے دن

---

[۱] شمس العارفین از حضرت سلطان باہوؒ ص ۳۰، ۳۱

تک جو کچھ ہونے والا ہوتا ہے، اُس پر اتفاق کرتے ہیں۔ چنانچہ آئندہ دن اور آئندہ رات میں جو کچھ بقضائے الٰہی ہونے والا ہوتا ہے، اُس پر بحث کرتے ہیں۔ اُن کا تصرف تمام عوالم میں ہوتا ہے۔ خواہ وہ عالمِ علوی ہو، خواہ عالمِ سفلی۔ بلکہ سترؐ حجابوں میں حتیٰ کہ عالمِ رتقا میں بھی جو کہ ستر حجابوں سے بھی اوپر ہے، ان کا تصرّف ہوتا ہے۔ اُن کا تصرّف اُن میں، اُن کے رہنے والوں میں، ان کے دلوں میں اور اُن کے مافی الضمیر میں ہوتا ہے"۔[1]

غوث کے معنی فریاد رس کئے گئے ہیں۔ کہ وہ ایک جہان کی فریاد پر اپنی دعا اور توجہ کے ذریعہ حالات دنیا میں تصرف کرتا ہے۔

غوث کے برابر یا اُس سے بڑے اولیاءاللہ

ابتداء میں ہی یہ وضاحت کی جاچکی ہے کہ زمرۂ ابدال کے اولیاءاللہ عام طور پر تکوینی امور کے ہی نگران و عامل ہوتے ہیں گو ان کا تعلق ذاکر و مشاغل اور معلم اولیاء اللہ سے رہتا ہے۔ اُن کی روحانی طور پر معاونت بھی کرتے ہیں۔ مگر ذمہ داری اُن کی وہی ہے۔ یعنی اللہ کی رحمتِ عامہ کا آلۂ کار بن کر انسانوں کی خدمت پر کمر بستہ رہنا۔ کچھ اور اولیاء اللہ ہوتے ہیں جن کے مراتب اُن کے برابر یا ان سے بڑھ کر ہوتے ہیں[2]۔ یہ اپنے اپنے طریقوں کے سلوک

---

[1] ترجمہ الابریز از پیر محمد حسن ص ۳۹۸

[2] "حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن العربیؒ فرماتے ہیں کہ معرفت جب زیادہ ہوتی ہے جو نہایت مقصود ہے تو تصرّف کی ہمت کم ہو جاتی ہے۔ فصوص الحکم کی فص لوطیہ میں ذکر ہے کہ بعض ابدالوں نے شیخ عبدالرزاقؒ سے کہا۔ آپ شیخ ابو مدینؒ کو بعد سلام کے کہیو کہ اے ابو مدینؒ ہمارے لئے کوئی چیز دشوار نہیں ہوتی (یعنی ہم عالم میں تصرف کرتے ہیں اور آ[illegible] ایسا نہیں کرتے) اور حال

کے وہ منتہی صاحب ارشاد لوگ ہوتے ہیں جو علم و معرفت اور فیض باطنی کی تلقین و تدریس میں لگے ہوتے ہیں۔ ابدال اکثر ان کے معاون و مؤید رہتے ہیں کہ ان کا مرتبہ علم اور شغلِ ارشاد کی بناء پر ان سے بڑا ہوتا ہے۔

فوائد الفواد میں حضرت خواجہ نظام الدین والحق رحمۃ اللہ علیہ کا بیان درج ہے۔ کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل رح نے حضرت شیخ فریدالدین والحق رح سے کہا، لوگوں کے قول کے مطابق مردانِ غیب آپ کے پاس آتے جاتے رہتے ہیں۔ اس بات کی آپ رح نے تردید نہ کی۔ صرف اتنا فرمایا کہ تم بھی تو ابدال ہو (اگر وہ خود ابدال تھے تو پھر معلوم ہوتا ہے کہ تب یہ سوال انہوں نے کسی کی ترغیب پر حضرت شیخ رح سے پوچھ لیا ہوگا)

وہ ولی جو علم و معرفت میں اپنے زمانہ کا منبعِ فیض ہوتا ہے، اُسے قطبِ ارشاد کہتے ہیں۔ ایک وقت میں کئی قطب ارشاد بھی ہو سکتے ہیں یہ اپنے اپنے سلاسل کے صوفیائے طریقت ہوتے ہیں جو لوگوں کو ذکر و فکر کی تلقین کرتے ہیں اور بیعت وارشاد کے ذریعہ اپنے اپنے طریقہ کو زندہ رکھتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ جو اپنے وقت کا غوث ہے، اپنے دور کا سب سے بڑا صاحب ارشاد بھی وہی ہو۔ جیسے غوث الاعظم سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے یا کئی دوسرے بزرگ

یہ ہے کہ ہم آپ کے مقام کی رغبت رکھتے ہیں اور آپ ہمارے مقام کی رغبت نہیں رکھتے، واقعہ یوں ہے کہ ابو مدین رح ایسے مرتبہ پر فائز تھے۔ جہاں ان کو ابدالوں کا مقام بھی حاصل تھا اور اس مقام کے سوا بھی تھا۔ یعنی وہ ابدالوں سے اونچے مقام پر متمکن تھے اور وہ عبدیت اور کمال معرفت و توحید کا مقام تھا۔"

(عصر جدید اور مسائل تصوف از سید احمد سعید ہمدانی)۔ ص ۹۱-۹۲

اِس طرح کے ہو گذرے ہیں جن کی شخصیت میں دونوں مراتب جمع ہو گئے تھے۔
شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے "قیوم" ہونے کا دعویٰ کیا۔
جس کی تشریح انہوں نے یہ کی کہ قیوم اپنے زمانے کا وہ انسان کامل ہے کہ تمام کمالات
ظاہری و باطنی اُس کے توسط سے ظاہر ہوتے ہیں۔

اسی طرح زمانے میں ایک بلند پایہ ولی قُطبِ وحدت ہوتا ہے جس کی
قوتِ قدسیہ دنیا کے تمام عوالِم روحانی کو متاثر کر رہی ہوتی ہے۔ قطبِ وحدت
کی تین امتیازی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اول اگر کوئی آدمی رات دن مسلسل اُس
کی صُحبت میں رہے تو القاء کئے بغیر اُس کے لطائف منور ہو جاتے ہیں بلکہ منازل
سلوک بھی طے ہونے لگتی ہیں۔ دوم اُس کا کوئی تربیت یافتہ اُس کی اجازت کے
بغیر بھی اگر کسی کے وجود میں لطیف روحانی مراکز روشن کرنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے
بلکہ صرف منور لطائف والا شاگرد بھی کسی کو تربیّت دینا شروع کر دے تو اُسے
فائدہ ضرور پہنچتا ہے۔ سوم وہ اپنے عقیدت مندوں کو توجہ غیبی سے فیض دیتا ہے
اور منازل بدستور طے ہوتی رہتی ہیں۔ اس فقیر کا خیال ہے کہ یوں تو تمام مریدین
اپنے اپنے پیرانِ طریقت کا مرتبہ بلند مانتے ہیں اور انہیں ایسا کرنا بھی چاہیئے۔
مگر یہ فقیر اپنے تھوڑے سے علم کی بناء پر جو اللہ نے مجھے دیا ہے، یہ سمجھتا ہے
کہ سیدی حضرت محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ جو کئی سال تک تا دمِ وصال کلیاؤلہ
میں حضرت حاجی عبداللہ شاہؒ (بادشاہ غوث و قطب) کی درگاہ پر معتکف رہے
اور مجھ فقیر کو گاہے گاہے ان کی صحبت میں رہنے کا موقعہ ملا، اپنے زمانے میں
قطبِ وحدت تھے۔ گو انہوں نے کبھی اس کا دعویٰ نہ کیا لیکن ان کی صحبت
میں رہنے والوں پر انوار و فیوض کا نزول و نفوذ دیکھ کر یہ یقین ہو جاتا تھا کہ ان
کا رتبہ قطبِ وحدت سے کم نہیں ہے۔ اُن کے پاس اہلِ خدمات آتے تھے اور

مثل قطب از جائی جنبد" کا مطلب و مفہوم اسی قدر ہے یعنی وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا مگر دوسری جگہ پر کام ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ اقطاب آیتہ قرآنی اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ الانبیاء : ۱۰۵ (کہ آخر زمین پر میرے نیک بندے مالک ہوں گے) کی حقیقت کے عارف و مظہر ہوتے ہیں۔

قطب کے برابر اولیاء اللہ

باطنی تنظیم میں کئی ایسے اور اولیاء اللہ بھی ہر وقت موجود رہتے ہیں جنہیں افراد کہتے ہیں۔ ان کا رتبہ اور قوت روحانی قطب کے برابر ہوتی ہے۔ یہ قطب بھی مقرر ہو سکتے ہیں اور خاص حالات میں انہیں اہم امور کی سرانجام دہی کا فریضہ سونپا جاتا ہے یہ گویا وہ جبرنیل ہیں جن کی جنگ کے زمانہ میں خدمات حاصل کی جا سکتی ہیں ورنہ وہ آزاد رہتے ہیں۔

اسی طرح ایک ولی خضرؑ کے مقام پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، اس کے بارے میں کئی تذکروں میں لکھا ملتا ہے کہ یہ وہی خضرؑ ہیں جو موسیٰ علیہ السلام سے ملے تھے۔ لیکن حق یہی ہے کہ ہر زمانے میں ایک ولی خضر ہوتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیا گیا ہے کہ "حضرت خضرؑ نے فرمایا۔ اللہ تعالےٰ نے ہم کو قطب مدار کا معاون بنایا ہے جو اولیاء اللہ سے ہے اور جسے اللہ تعالےٰ نے دنیا کی بقاء کا سبب بنایا ہے۔ اس کے وجود کی برکت سے بقائے عالم ہے اور فرمایا کہ اس وقت قطب مدار یمن میں ہے اور وہ شافعی فقہ کا متبع ہے اور ہم اُس کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں"۔

حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ نے گو خضر کے متعلق عام روایات دہرا دی ہیں مگر انہیں قطب (قطب مدار یا غوث) کا مصاحب لکھا ہے۔ یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ "بازار میں اگر چیزیں خریدتے ہیں بیچتے اور سودا کراتے ہیں۔ وہ منیٰ اور

عرفات میں بھی آتے ہیں اور اچھی آواز کو پسند فرماتے ہیں۔ کلام اللہ کو سنتے اور سماع سننے جاتے ہیں اور ان پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔ وہ ایک رات یا اس سے زیادہ اس حالت میں رہتے ہیں۔ نیک لوگوں کو دیکھنے اور جمعہ پڑھنے جاتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے ساتھ بیٹھتے ہیں"۔[1]

اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضرؑ کے مشاغل بظاہر ایک عام صوفی کے سے ہیں اور اس کی بکثرت شہادتیں موجود ہیں کہ وہ مبتدیوں کے پاس آتے ہیں اور اُن کو ذکر کے طریقے تلقین کرتے ہیں۔ نیز پیدائشی ولیوں کے نگران رہتے ہیں کہ ان کی تربیت صحیح طریق پر جاری رہے۔

اوتاد

ان کی تعداد چار بتائی گئی ہے۔ یہ قیامِ عالم اور امن و امان کی حفاظت کے لئے گویا میخوں کی مانند ہیں اور دنیا کے چاروں کونوں میں رہ کر توازن برقرار رکھتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے ان کے نام بھی بتا دیئے ہیں۔ ان کے یہ نام اللہ تعالےٰ کی بعض خاص صفات کے ظہور کی علامت ہیں۔ ان اوتاد میں مغربی افق والا ولی عبدالودود اور مشرقی افق والا عبدالرحمٰن نام رکھتا ہے شمالی افق والا عبدالقدوس اور جنوبی افق والا عبدالرحیم کہلاتا ہے۔

اخیار، نجباء، نقبا اور ابدال وغیرہ

اِن مناصب کے اولیاء اللہ کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہا جاتا ہے، اخیار چالیس یا کئی سو[2] اور یہ سیاحت میں رہتے ہیں۔ اس طرح تبلیغ و تعلیم کے ذریعہ خلقت کو فیض پہنچاتے ہیں۔ نقباء و نجباء کے کام کی نوعیت واضح نہیں ہے۔ ان کی تعداد کے بارے میں بھی کچھ یقین نہیں ہے۔ ایک

---

[1] رسالہ ابدالیہ ص ۲۹

قول کے مطابق نقباء کی تعداد تین سو ہے اور سب کا نام علی ہے۔ اور نجباء کی تعداد ستّر ہے اور نام حسَن ہے[۱]۔ ابدال کی اصطلاح عام ہے۔ اس کی جمع بُدَلاء ہے۔ ان کی تعداد ہر زمانے میں مختلف رہتی ہے۔ انہی میں سے دوسرے مناصب کے افراد چنے جاتے ہیں۔

مجذوبوں کی خدمات

یہ انتظامیہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا، باہوش لوگوں کی ہوتی ہے جو سرِّ قدر کی معرفت رکھتے ہیں اور ایسی طبع سلیم رکھتے ہیں کہ اُس کی بدولت مشیت کے حکم کے مطابق عمل پیرا رہتے ہیں۔ مجذوبوں کے سپرد بھی حلقے ہوتے ہیں جنہیں کوتوالی کا فرض سونپا جاتا ہے۔ یہ گویا اس حکومت کی پولیس ہے۔ اِن کے چوکس اور ہوشیار رہنے سے حادثات سے بچاؤ رہتا ہے اور جرائم کم ہوتے ہیں اور اِن کی ذرا سی غفلت سے حادثے ہو جاتے ہیں اور جرائم بڑھتے ہیں۔ اسی پر ان کی ترقی اور تنزل اور سزا کا دارومدار ہوتا ہے۔ انہیں اپنے تئیں ظاہر کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ البتہ جہاں حکم ہوتا ہے یا مجبوری ہو، وہاں ظاہر بھی ہو جاتے ہیں۔

اس فقیر کو ایک نیم مجذوب سے بھی تعلقِ خاطر ہے دیکھا گیا ہے کہ اُس کی توجہ ہمیشہ عالمی سطح کے فلاحی اداروں اور مسیحی ملکوں کے امن کی صورتِ حال کی طرف رہتی ہے۔ لیکن اُنہیں روحانی نظام کی تفصیل کا علم نہیں ہے گویا اُنہیں صرف ایک کام دیا گیا ہے۔ جو انہیں کرنا ہے اور باقی سے وہ بے خبر ہیں اسطرح کے کئی مجذوب و نیم مجذوب کسی نہ کسی اہم یا غیر اہم کام پر لگے ہوئے ہیں اور وہ بھی مراتب میں مختلف ہیں۔ مثلاً مذکورہ نیم مجذوب بزرگ کے آثار دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اغلباً فردیّت کے مقام پر فائز ہو گا۔

---

[۱] سِرِّ دلبراں از شاہ محمد ذوقی رح ص۱۷۶

روحانی نظامِ خدمت

تعداد ابدالوں کی کل تعداد کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ حضرت سیّد علی بن عثمان الہجویری رحمۃ اللہ علیہ (داتا گنج بخش) نے کشف المحجوب میں پہلے تو تمام اولیاء اللہ کا ذکر کیا ہے۔ جو ایک دوسرے کو نہیں جانتے بلکہ خود کو بھی نہیں پہچانتے یعنی اول تو ذکر و فکر اور تلقین و درس میں اتنے محو ہوتے ہیں کہ ان کو یہ جاننے کی حاجت ہوتی ہے نہ فرصت اور دوم، اگر جاننا چاہیں تو اپنی بصیرت سے ہی کسی کا مقام پہچان سکتے ہیں۔ ابدالوں کے گروہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بیان کیا ہے کہ یہ وہ اہل حل و عقد ہیں جو روحانی دربار کے عہدیدار ہیں۔ اُن کی تعداد انہوں نے یہ لکھی ہے[1]

اخیار : تین صد

اوتاد : چار

نقباء : تین

قطب : ایک

---

[1] کشف المحجوب ترجمہ نکلسن ص ۲۱۴

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ایک حوالے سے مندرجہ ذیل تعداد بتائی گئی ہے۔

اخیار : تین صد

ابدال : چالیس

ابرار : سترہ

نجباء : پانچ

اوتاد : چار

نقباء : تین

قطب : ایک

احادیث میں تعداد کا ذکر ہو چکا ہے۔ ان سب حوالوں کے مطالعہ سے نتیجہ ظاہر ہے کہ تعداد ہمیشہ ہر دور میں ایک سی نہیں رہتی۔ چنانچہ ہر صاحبِ وقت نے اپنے دور کی تعداد بیان کر دی ہے۔ پھر حالات کے مطابق نئی تقرریوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ فاطر: ۱ (پیدائش میں جو چاہے بڑھاتا ہے)

ابدالوں کی اس تنظیم کے افراد سب ایک دوسرے کو جانتے ہیں اور انہیں اپنے امور میں ایک دوسرے کی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔

موجودہ دور میں ابدالوں کی تنظیم

ایک صاحب سلوک نے اس زمانے میں رُبعِ مسکون کی تقسیم روحانی تنظیم کے لحاظ سے یہ بتائی اور اُن شہروں کے نام بھی بتائے جہاں ان خطوں کے قطب

(Letter's from a Sufi Teacher) ص ۲۱ لے

رہتے ہیں۔ مگر یاد رہے کہ یہ کوئی ایسی مستقل بات نہیں ہے۔ ابدال اور اُن کے اقطاب جہاں بھی رہیں، اُن کے حاسہ باطنی کے سامنے کوئی امر پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا معلومات کے طور پر بھی ان مقامات کی کچھ اہمیت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ولایت	قطب کا مقام
۱۔ ایران سے راس کماری اور برما تک	لاہور
۲۔ برما، چین، جاپان، انڈونیشیا، ملائیشیا آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ۔	رنگون
۳۔ عرب ممالک اور افریقہ۔	بغداد
۴۔ ترکی، ریاستہائے بلقان، یونان وغیرہ	استنبول
۵۔ یورپ	روم
۶۔ شمالی، جنوبی امریکہ	واشنگٹن
۷۔ روس	تاشقند

ان اقطاب کی آگے ہر ملک اور شہروں میں روحانی تنظیمیں موجود ہیں جن کے اپنے ابدال اور اوتاد وغیرہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ عام آدمی کو تو پتہ نہیں چلتا ورنہ گاؤں میں اور شہروں کے ہر محلے میں کوئی نہ کوئی ایسا پُراسرار آدمی ضرور ہوتا ہے جو روحانی طور پر لوگوں کے امور میں دخیل ہوتا ہے۔ صرف اس قدر فرق پڑتا ہے کہ جہاں آبادی کم ہو، وہاں حلقہ ذرا وسیع ہو جاتا ہے۔

اس دَور کا غوث

اُسی بزرگ نے بتایا کہ اِس دور کا قطب الاقطاب یا غوث مدینہ میں رہتا ہے۔ وہ عرب نہیں ہے۔ بلکہ ایشیا کے دوسرے اسلامی ممالک میں سے کسی ملک کا رہنے والا ہے۔

چشتیہ طریقہ کے نگران اولیاء اللہ

جس خطہ میں ہم رہتے ہیں جو مشمولہ ہندوستان وپاکستان، ایران سے راس کماری تک پھیلا ہے۔ اس خطہ کی نگرانی چشتیہ سلسلہ کے ولیوں کے سپرد ہے اور اس کے انتظام والنصرام کے وارث ہوتے ہیں۔ سیّدی محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہندوستان کی ولایت حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ہے اور آپ کی شان جمالی ہے۔ دوسرے خطوں میں دیگر سلاسل کے اولیاء ابدال بنتے ہیں مثلاً عربستان وافریقہ میں قادری اور شاذلی طریقوں کے ولیوں کو خدمت سپرد کی گئی ہے۔

حکمرانوں کے گرد اہل خدمات

اہل خدمات یا زمرۂ ابدال کے افراد مختلف صورتوں اور مختلف حیثیتوں میں حکومت کے کلیدی محکموں میں بھی موجود رہتے ہیں۔ خواہ ظاہر میں ان کے پاس کوئی بڑا عہدہ ہو یا نہ ہو۔ مگر وہ قریب ضرور ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ جہاں تک ہو سکے، اپنی روحانی توجہ سے کاموں کو صحیح رُخ پر چلانے میں مؤیّد ہوتے ہیں۔ سیّدی حضرت محمد وراثت حسین شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حکمرانوں کے سپرد چونکہ بہت بڑا کام ہوتا ہے اس لئے اہل خدمات میں سے اُن کے محافظ اور دعاگو بھی ہوتے ہیں۔

اے شاہِ بیدار بخت راہر شب	ما نگہبانِ افسر و کلہیم
شاہِ منصور واقف است کہ ما	روئے ہمت بہر کجا کہ نہیم
دشمنان را زخون کفن سازیم	دوستان را قبائے فتح دہیم

(حافظؒ)

(بیدار بخت بادشاہ کے لئے ہر شب ہم تاج اور کلاہ کے نگہبان ہیں۔ شاہِ منصور واقف ہے کہ ہم جس طرف بھی ہمت کا رخ کرتے ہیں، دشمنوں کا خون سے کفن تیار کر دیتے ہیں۔ اور دوستوں کو فتح کی قبا دے دیتے ہیں۔)

وہ حکمران خوش قسمت ہے جو ان کی طرف سے القاء پر متوجہ ہوتا ہے۔ اور ان کی بصیرت سے مستفیض ہوتا ہے۔ بحران کے زمانے میں وہ ان میں سے بعض حکمرانوں کے سامنے اپنے تئیں کھل کر پیش کرتے ہیں اور مشورے دیتے ہیں مگر حکمرانوں کو شیطان اس طرح فریب دیتا ہے کہ چونکہ حکمران کو کئی جھوٹے سچے مشورے ہر طرف سے مل رہے ہوتے ہیں، اس لئے وہ بیچارہ حیرانی میں صحیح آدمی کو پہچان نہیں پاتا یا اُس کے مشوروں کو اپنی عقل سے سمجھ نہیں پاتا لہٰذا وہ بھی نقصان اٹھاتا ہے اور قوم بھی خسارے میں رہتی ہے۔ پاکستان کے ایک سابق حکمران نے جب اس جہت سے آنے والے مشوروں کو درخور اعتناء نہ سمجھا تو روحانیین کے دفتر میں "خردماغ" لکھا گیا اور حکومت سے بے دخل ہوا۔ بہر صورت ایسے شواہد موجود ہیں کہ پاکستان میں ہی پچھلے سالوں میں حکمرانوں کو اس طبقے کے لوگ ملتے ضرور ہے مگر وہی ہوتا رہا جو علم الٰہی میں طے تھا۔ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا الاحزاب: ۳۷ (امرِ الٰہی تو ایسے ہوتا ہے جیسے وہ ہو گیا)

جب کسی ملک کی حکومت بدلتی ہے تو اُس کے پیچھے ابدالوں کا ہاتھ ہوتا ہے اس کے متعلق باقاعدہ فیصلہ ہوتا ہے اور ہمیشہ اُن کا فیصلہ اور مشیت الٰہی ایک دوسرے کے موافق ہوتے ہیں۔ جس طرح سے وہ حالات کو بھانپتے اور جانچتے ہیں، ظاہر بین لوگ اپنے قیاسات سے ایسا نہیں کر سکتے۔ ان کے سامنے جزوی واقعات پر مشتمل ہنگامی تاریخ نہیں ہوتی۔ وہ تو تقدیر کی کُلیّت کو دیکھ کر امورِ عالم کو چلا رہے ہوتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک جزا و سزا اور تقدیر کے نفاذ کی حکمت اکثر ظاہری علم و قانون سے مختلف ہوتی ہے لیکن وہ جن کا عقلی وجدان بیدار ہو، ان کی حکمت کو جانتے اور اُس کی تائید کرتے ہیں۔

ایوانُ الصّالحین یا رُوحانی دربار

یوں تو ابدال اولیاء اللہ سال میں مختلف مقامات پر جمع ہوتے ہیں۔ اُن کی دوسرے ولیوں سے ملاقات بھی ہوتی ہے۔ لیکن ہر روز بھی غوث کا دربار لگتا ہے جس میں غوث صدر نشین ہوتا ہے اور اقطاب عالم اس کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ اونچے درجے کے روحانیین سب اُس جگہ موجود ہوتے ہیں۔ اس موقعہ پر امت کے تمام مسائل پر فیصلہ ہوتا ہے۔ اہل حل و عقد اولیاء اللہ کے علاوہ متقدر جنّات کو بھی شریک کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بعض امور ان سے متعلق ہوتے ہیں۔ سیّد عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں یہ دربار صبح کے وقت غار حرا کے باہر منعقد ہوتا تھا اور تمام اطراف جہاں کے اقطاب وہاں طئے الارض کی قوت سے پہنچ کر اُس میں شریک ہوتے تھے۔ لیکن یہ مقام تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے۔ اُن کے زمانے میں دربار غارِ حرا کے پاس لگتا تھا مگر کہا جاتا ہے، آج اُس کی جگہ اور ہے۔ تاہم ایوانُ الصّالحین کا جو نقشہ غوث الزمان حضرت سیّد عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ نے کھینچا ہے۔ اُس کی صورت اب بھی وہی ہو گی۔ وہ فرماتے ہیں:

رات کے تیسرے حصّے میں روحانیین کی یہ مجلس منعقد ہوتی ہے۔ یہی وہ ساعتِ اجابت ہے جس کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔ غوث اس طرح بیٹھتا ہے کہ چار قطب اُس کے دائیں طرف ہوتے ہیں اور تین دوسری طرف۔ وکیل غوث کے سامنے ہوتا ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں، تو غوث وکیل کی جگہ پر آجاتا ہے اور وکیل پچھلی صفوں میں لوٹ جاتا ہے۔ وکیل کے پیچھے چھ صفیں ہوتی ہیں جن کا حلقہ چوتھے قطب سے شروع ہو کر اُس قطب پر ختم ہوتا ہے جو تین قطبوں کے بائیں جانب ہے۔ چنانچہ یہ سات قطب حلقہ کی ایک طرف کا کام دیتے ہیں۔ اسی طرح صفیں بن جاتی ہیں۔ کچھ عورتیں بھی اس دیوان میں حاضر ہوتی

ہیں مگر اُن کی تعداد کم ہوتی ہے اور اُن کی تین صفیں بائیں جانب کے اقطابِ ثلثہ کی جانب اور صف اول کے دائرہ سے اوپر غوث اور اقطاب ثلثہ کے درمیان خالی جگہ میں ہوتی ہے۔ گذشتہ لوگوں میں سے بعض کاملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں مگر زندہ لوگوں کے معاملات میں ان سے مشورہ نہیں کیا جاتا۔ دیوان میں فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں مگر وہ صفوف کے پیچھے ہوتے ہیں اور کاملین جنّات بھی آتے ہیں اور وہ سب کے پیچھے بیٹھتے ہیں لیکن ان کی پوری ایک صف بھی نہیں ہوتی۔ یہ صاحب تصرف اولیاء کی امداد کے لئے موجود ہوتے ہیں بلکہ ہر شہر میں اولیاء اللہ کی امداد کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ شب قدر کو انبیاء کرام ع بھی اس مجلس میں تشریف لاتے ہیں۔

ایک اور بات حضرت سید عبدالعزیز دباغ رح نے یہ بیان فرمائی کہ چھوٹے ولی دیوان میں اپنی ذات سے حاضر ہوا کرتے ہیں۔ مگر بڑے ولی پر کوئی پابندی نہیں مطلب یہ کہ جب چھوٹا ولی دیوان میں آتا ہے تو اپنی جگہ اور گھر سے غائب ہو جاتا ہے اور وہ اپنے شہر میں موجود نہ ملے گا۔ مگر بڑا ولی کمالِ روح کی وجہ سے تین سو چھیاسٹھ مختلف صورتیں اختیار کر سکتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے گھر سے غائب نہیں ہوتا اور دیوان میں بھی حاضر ہوتا ہے۔[1]

اس دیوان میں ہر قسم کے معاملات طے ہو جاتے ہیں اور وہی ہوتا ہے جو وہاں بقضاء الٰہی قرار پایا ہو۔ مجاذیب کا اس دیوان میں دخل نہیں ہوتا۔

---

[1] خزینۂ معرفت۔ ترجمہ اردو الابریز از پیر محمد حسن ص ۳۸۳

ابدالوں سے تعلق پیدا کرنے کا طریقہ

جب کسی کو یہ یقین ہو جائے کہ واقعی ابدال ظاہری امور میں دخل انداز ہوتے ہیں، وہ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں اور اُن کے توسط سے کاربر آری کی کئی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں تو طبعاً اس طرف میلان ہوتا ہے کہ ان سے تعلق پیدا کیا جائے یا ان سے ملاقات کی جائے۔

پیشتر ازیں یہ بات کئی بار دہرائی جا چکی ہے کہ ابدال اولیاء اللہ کا وہ طبقہ ہے جو اپنے تئیں پوشیدہ رکھتا ہے کیونکہ وہ اپنی باطنی توجہ جب ہی مجتمع رکھ سکتے ہیں اور اُس سے کام لے سکتے ہیں کہ عُزلت میں رہیں۔ اِن کی قوت مکاشفہ بہت قوی ہوتی ہے اس لئے یہ لوگوں کے رجحانات و میلانات بھی جان لیتے ہیں۔ چنانچہ ان سے ملنا بھی آسان نہیں۔ یہ ہر ایک سے ملتے ہیں نہ ہر ایک پر اپنے تئیں ظاہر کرتے ہیں۔

روحانی طور پر بزرگوں نے کچھ صورتیں اِن کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے بیان کی ہیں۔ اُن سے فائدہ اٹھایا جائے تو ابدالوں سے ایک گونہ غائبانہ تعارف

ہو جاتا ہے۔

ابدال چونکہ اپنے اپنے حلقوں میں ایک لحاظ سے روحانی طاقت کے امین ہوتے ہیں اس لئے جہاں کہیں وہ اس قوت کا ذخیرہ دیکھتے ہیں، اس سے اپنے کاموں میں وہ مدد لیتے ہیں۔ یہ قوت کا ذخیرہ اُنہیں اس قلب میں ملتا ہے جو ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو۔ ذکرِ الٰہی کی خصوصیت تو یہ ہے کہ فرشتے ذکر کرنے والے کے گرد جمع ہو جاتے ہیں، ارواحِ مقدسہ حاضر ہوتی ہیں اور یہی حال ابدالوں کا ہے۔ وہ اپنی روحانیت کو ذاکر کے قلب کے سامنے کر دیتے ہیں خواہ وہ اُس مجلس میں بذاتِ خود موجود ہوں یا نہیں۔ وہ ماحول پر اُس ذکر کے اثرات و ثمرات کو اپنے باطن کی معیت میں لے لیتے ہیں اور اُس شخص کے لئے دُعا کرتے ہیں۔ اگر چاہیں تو شروع میں مکاشفہ کے ذریعہ شناسائی کا موقع بہم پہنچاتے ہیں اور پھر کسی وقت مناسب سمجھیں تو سامنے بھی آجاتے ہیں۔

چونکہ ابدالوں کا کام عامۂ خلائق کی بہبود سے وابستہ ہے اور خاص طور پر اُمتِ محمدیہ کی فلاح اُن کا مقصد ہے اس لئے وہ امت کے لئے دعا کرنے والے سے اُنس پیدا کر لیتے ہیں اور اُس سے مسرور رہتے ہیں۔ خاص طور پر جو شخص یہ دعا کرتا ہے۔ اُس کو وہ اپنے کام میں شریک سمجھتے ہیں۔ اسی لئے روایت میں کہا گیا ہے کہ یہ دعا کرنے والا ابدالوں کے درجے میں لکھا جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

اَللّٰھُمَّ انْصُرْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِاُمَّۃِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

اَللّٰھُمَّ اَصْلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ

اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
اَللّٰھُمَّ کَرِّمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
اَللّٰھُمَّ عَظِّمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
اَللّٰھُمَّ تَجَاوَزْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ [1]

(اے اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بخش دے۔
اے اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحم کر۔
اے اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کر۔
اے اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح عطا کر۔
اے اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کر۔
اے اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مشکلات کھول دے۔
اے اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کرم کر۔
اے اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بزرگی دے۔
اے اللہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے درگذر فرما۔

حدیث میں روایت ہے کہ اس دعا پر فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔ اس دعا کو جس قدر کثرت سے پڑھا جائے گا، اہل خدمات اولیاء اللہ یا ابدالوں سے اتنا ہی زیادہ تعلق پیدا ہوگا۔ ابدالوں سے تعلق پیدا کرنے کے لئے اس سے زیادہ مفید اور کوئی کلام نہیں۔

اسی طرح ایک اور دعا ہے جس کو پڑھنے والے ابدالوں کی "آمین" کو شامل حال کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الاکبر ابن العربیؒ سے منسوب ہے کہ انہوں نے یہ دعا

---

[1] منقول از اوراد فتحیہ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ

پڑھنے کی تلقین کی۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا رِجَالَ الْغَیْبِ وَاَرْوَاحِ الْمُقَدَّسَةِ اَغِیْثُوْنِیْ بِغَوْثَةٍ وَانْظُرُوْنِیْ بِنَظْرَةٍ یَا رُقَبَاءُ یَا نُجَبَاءُ یَا اَبْدَالُ یَا اَوْتَادُ یَا غَوْثُ یَا قُطْبُ اَغِیْثُوْنِیْ بِهٰذِهِ الْاَمْرِ سَلَّمَکُمُ اللّٰهُ فِی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ بِحَقِّ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

(اے رجالِ غیب اور ارواحِ مقدسہ تم پر سلامتی ہو۔ میرے لئے دعا کیجئے اور مجھ پر نظرِ کرم کیجئے۔ اے رقباء، اے نجباء اے ابدال اے اوتاد، اے غوث، اے قطب۔ اس کام میں میرے لئے دعا کیجئے۔ اللہ ہمارے سردار اور آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی آل اور اولاد اور آپؐ کے تمام صحابہ کے وسیلے آپ کو دین، دنیا اور آخرت میں سلامت رکھے۔ اے ارحم الراحمین تیری رحمت پر ہی بھروسہ ہے)

اس تخاطب میں بھی چونکہ ایک تعلق و تعارف ہے اس لئے ایسی دُعا میں جس کے پہلے یہ کلام پڑھا جائے، ایک خاص طاقت اس طرح پیدا ہو جاتی ہے کہ روحانیین اپنی باطنی توجہ کے ذریعہ اُس کی تائید کرتے ہیں اور اس کو درِ استجابت تک لے جاتے ہیں۔ اہلِ سلوک عام طور پر ہر وِرد سے پہلے یہ دُعا پڑھتے ہیں اور اس کے فوائد کے گواہ ہیں۔

بعض لوگوں کو جو اِن معاملات میں فہم نہیں رکھتے شاید رجالِ غیب کے ساتھ اس تخاطب پر اعتراض ہو تو اُنہیں وہ حدیث یاد رکھنی چاہیئے جس میں

کہا گیا ہے کہ جب تمہارا کوئی جانور گم ہو جائے تو پکار کر کہو:

یَاعِبَادَ اللّٰہِ اَعِیْنُوْنِیْ

(اے اللہ کے بندو، میری مدد کرو)

"عباد" سے مراد بزرگوں نے رجالِ غیب لئے ہیں۔ یعنی اَلْاَبْدَالُ اَوْمَلَائِکَۃُ اَوِالْمُسْلِمُوْنَ مِنَ الْجِنَّاتِ (ابدال یا فرشتے یا مسلمان جنّات)، اور یہ شرک اس لئے نہیں کہ اس سے استعانتِ کلی مراد نہیں بلکہ استعانتِ جزی مراد ہے۔ حدیث کے ثقہ ہونے کے لئے یہ امر کافی ہے کہ اسے "حصنِ حصین" میں نقل کیا گیا ہے جس میں مصنف یا مرتب نے صحیح احادیث کا خیال رکھا ہے۔

انتباہ یہ بات ہمیشہ دھیان میں رکھنی چاہیئے کہ طبقۂ ابدال کے یہ افراد اللہ کے بندے ہیں جن کو اُس نے اپنی رحمت کو عام کرنے اور مشیّت کی تعمیل کرنے کے لئے چن لیا ہے اور انہیں اپنے بندوں کی کاربرآری پر لگا دیا ہے۔ اس کے لئے ان کو خاص قوتیں عطا کی ہیں مگر اس کے باوجود وہ خود مشیّت کے صرف آلۂ کار ہی ہیں۔ انہیں اختیار ہے تو اس قدر ہے کہ اللہ کی رضا اُن کی رضا کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے اور پھر وہ پابندِ امرالٰہی ہیں تو اس حد تک کہ اُس کے حکم کے سامنے محض عاجز اور بے دست وپا ہیں۔ خواجہ نظام الدین والحق ؒ نے ایک بادشاہ کا واقعہ بیان کیا جو صاحبِ کشف تھا۔ ایک دن یہ بادشاہ مکان کے دریچے میں بیٹھا تھا۔ ملکہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھی تھی کہ اس نے آسمان کی طرف نظر اٹھا کر ایک دوبار دیکھا۔ پھر بیوی پر نظر ڈالی اور رو دیا۔ بیوی نے وجہ پوچھی تو ٹال گیا۔ مگر جب ملکہ نے اصرار کیا تو اس نے کہا۔ میری نظر لوحِ محفوظ پر پڑی تو دیکھا کہ میرا نام زندہ لوگوں کی فہرست سے نکال دیا گیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ میری جگہ ان اطراف کا ایک حبشی لے گا اور تو اس کے نکاح میں آئے گی۔ ملکہ نے سُنا تو کہا۔

اب کیا کرو گے ؟ بادشاہ نے کہا۔ "میں کیا کر سکتا ہوں۔ جو بھی اللہ نے فیصلہ کیا ہے۔ وہی ہو گا۔ میں اُس کے فیصلے پر راضی ہوں"۔ اُسی وقت بادشاہ نے اُس حبشی کو طلب کیا اور اُسے ایک مہم پر بھیج دیا۔ وہ کامیاب ہو کر لوٹا۔ بہت سا مالِ غنیمت ساتھ لایا تھا۔ وہ لوگوں میں لٹاتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ دوسرے دن بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ لوگ اس کے گرویدہ ہو چکے تھے۔ اُنہوں نے اُس حبشی کو بادشاہ چن لیا اور بادشاہ کی بیوی نے بھی اُس سے نکاح کر لیا[1]

جبر و رضا کی اِن دو انتہاؤں کو وہی سمجھ سکتے ہیں جنہیں اللہ کی طرف سے علم و معرفت کا نور کسی قدر حاصل ہو چکا ہے۔

اللہ کے کئی اور ایسے ولی ہیں۔ جو ان سے بڑھ کر روحانی مقامات کے مالک ہیں۔ ابدال تو ملائکہ سفلیہ (دنیا میں کام کرنے والے فرشتے) کے مثیل ہوتے ہیں۔ لیکن اُن کاملینِ امت کا تعلق ملاءِ اعلیٰ سے رہتا ہے اور وہیں سے اُن پر اسرار کے انوار وارد ہوتے ہیں۔ یہ بزرگ کہیں بھی پائے جا سکتے ہیں۔ خانقاہ میں رہتے ہوں یا کسی مقام کے پابند نہ ہوں، وہ ہمیشہ صاحب ارشاد بن کر خلقت کو فیض پہنچاتے ہیں۔ اگر کوئی درویش سلوک کے مقامات طے کرنے کے لئے کسی مرشد کی تلاش میں ہو تو پھر اُسے زمرۂ ابدال سے باہر کسی بزرگ ولی کو تلاش کرنا چاہیئے۔ ابدال تو زیادہ سے زیادہ معاون ہو سکتے ہیں مگر سلوک و تصوف کی تعلیم کے لئے اللہ کے دوسرے بندے موجود ہوتے ہیں اِن کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

البتہ ابدال سے ملنے کا شوق اس حد تک تو ضرور مستحسن ہے جیسے ہم دوسرے

---

[1] فوائد الفواد پینتیسویں مجلس

تمام اولیاء اللہ اور علماء کرام سے ملنا نیک عمل سمجھتے ہیں مگر اس طرح ان سے ملنے کی خواہش کے درپے ہو جانا کہ ذکر و فکر اور عبادت کے بعض ارکان میں فرق آنے لگے، یقیناً گھاٹے کی بات ہے اور ہو سکتا ہے کہ عہوتسوں اور نیک و بد کلام کے عاملوں کی طرح کوئی ان سے ملنے میں بھی ایسا ہی انہماک اختیار کرے تو اُسے جان لینا چاہیئے کہ وہ راہِ راست سے ہٹ رہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے اختیارات کے متعلق اپنے ظنون کی وجہ سے ایک موہوم توقع ایسی رکھتا ہو کہ اُس میں شرک کا شائبہ آجائے تو اس کے لئے بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالٰے اپنی توحید کے معاملے میں بہت غیور ہے۔ اس سے خسران کا اندیشہ ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ لقمان : ۱۳ (بلاشبہ شرک بڑی ہی ناانصافی ہے)

جیسا کہ عرض کیا گیا، ابدال سے ملنے کا میلان اچھی بات ہے۔ اگر ملاقات ہو جائے تو نفع ہی نفع ہے۔ مگر چونکہ یہ لوگ اپنے آپ کو صرف اسی پر ظاہر کرتے ہیں جسے وہ قابل اعتبار یا اہل سمجھیں، اور ضروری نہیں کہ ہر ایک جو ان سے ملاقات کا خواہش مند ہو، اُس کا اہل بھی ہو۔ اس لئے شب و روز اسی خیال میں غرق نہیں رہنا چاہیئے۔ ہاں ذکر الٰہی اور دعا و سلام کے ذریعہ اُن کے اُنس کو جذب کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ طریق ہر خطرے سے محفوظ ہے اور مفید ہے۔

بلاشک اِن ولیوں سے ملنا سعادت کی دلیل ہے۔ یہ ملیں تو ان سے ان کے معاملات کی کرید نہیں کرنا چاہیئے۔ بس دعا کی درخواست کافی ہے اور اُس پر اصرار کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ بزرگ بھی کچھ حدود و قیود رکھتے ہیں اور قاعدے قانون کے پابند ہیں۔ اگر وہ دُعا کر دیں تو اُس کی استجابت کے بارے میں حُسنِ ظن رکھنا چاہیئے۔ یہ تو دنیاوی امور کی بات ہے جن میں دخل اندازی کے یہ مجاز ہوتے ہیں مگر اہلِ سلوک کے گروہ میں مبتدیوں اور متوسطین کو بھی اِن سے خاص

مدد ملتی ہے۔ بسا اوقات یہ خود اپنے تئیں خود کو اس امر پر مامور پاتے ہیں مثلاً اذکار کی تلقین کرتے ہیں یا ہمت افزائی کرتے ہیں۔ جہاں تک منتہی اور صاحب ارشاد حضرات کا معاملہ ہے تو وہ عام طور پر ان سے مستغنی ہوتے ہیں۔ البتہ ابدال ان کی معاونت کے لئے ہر وقت اپنے آپ کو تیار رکھتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا کام روحانی علوم کی اشاعت ہے اور یہی ورثۂ انبیاء ہے۔ ابدال اُن کے کام میں بطیب خاطر معین و معاون ہوتے ہیں۔ باقی حقیقت تو یہی ہے کہ یہ سب وسائل و وسائط ہیں۔ اصل کارکشاء و کارساز تو اللہ ہی ہے۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ کُلَّہٗ لِلّٰہِ۔ آل عمران۔ ۱۵۴ (اے نبی کہہ دے، کہ سارا کام اللہ کے ہاتھ میں ہے)

فہرست کتب (جن سے حوالے دیئے گئے)

۱۔ قرآن مجید	مع ترجمہ اردو از شاہ عبد القادر دہلویؒ
۲۔ صحیح بخاری و دیگر کتب احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	
۳۔ تفسیر حقانی	مولانا عبد الحق حقانیؒ
۴۔ بیان القرآن	مولانا اشرف علی تھانویؒ
۵۔ تفسیر ماجدی	مولانا عبد الماجد دریا آبادیؒ
۶۔ ترجمان القرآن	مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم
۷۔ معارف القرآن	مفتی محمد شفیعؒ
۸۔ ترجمہ قرآن مولانا احمد رضا خانؒ	مع تفسیری حاشیہ مولانا نعیم الدین
۹۔ تفہیم القرآن	مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ
۱۰۔ بیان القرآن	مولوی محمد علی لاہوری
۱۱۔ قصص القرآن	مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
۱۲۔ فصوص الحکم	شیخ الاکبر محی الدین ابن العربیؒ
۱۳۔ انسان کامل	شیخ عبد الکریم الجیلیؒ
۱۴۔ زبدۃ الآثار	شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ
۱۵۔ بہجۃ الاسرار	شیخ نور الدین ابی حسن علیؒ
۱۶۔ فوائد الفواد	مرتبہ خواجہ حسن سنجریؒ
۱۷۔ فیوض الحرمین	حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ
۱۸۔ حضرات القدس	شیخ بدر الدین سرہندیؒ
۱۹۔ کشف المحجوب	سید علی بن عثمان الہجویریؒ

۲۰۔ شمس العارفین — حضرت سلطان باہوؒ
۲۱۔ اسرار قادری — حضرت سلطان باہوؒ
۲۲۔ الابریز — ترجمہ پیر محمد حسن
۲۳۔ مکتوبات — شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ
۲۴۔ تاج الاولیاء — بابا ذہین شاہ تاجی
۲۵۔ شرح اسمائے حُسنیٰ — قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ
۲۶۔ سراج السالکین — مولانا محمد صاحبزادہ
۲۷۔ تذکرۂ غوثیہ — مرتبہ گل حسن شاہؒ
۲۸۔ کمالاتِ عزیزیہ — مرتبہ نواب مبارک علی خان
۲۹۔ ابدالیہ — مولانا یعقوب چرخیؒ
۳۰۔ دلائل السلوک — مولانا اللہ یار خان
۳۱۔ احوال ابدال — عبدالعزیز مزنگوی
۳۲۔ اوراد فتحیہ — امیر کبیر سیّد علی ہمدانیؒ
۳۳۔ حِصنِ حصین — امام محمد الجبرزی الشافعیؒ
۳۴۔ شیخ الاسلام — مولانا رشید احمد صدیقی
۳۵۔ تذکرۂ غوث و قطب — سید احمد سعید ہمدانی
۳۶۔ لبیک — ممتاز مفتی
۳۷۔ اصطلاحات صوفیہ — خواجہ شاہ عبدالصمد چشتی
۳۸۔ سِرِّ دلبراں — شاہ محمد ذوقیؒ
۳۹۔ کتاب تطاب (غیر مطبوعہ) — حضرت حاجی عبداللہ شاہؒ
۴۰۔ ملفوظات حضرت سید محمد وراثت حسینؒ (غیر مطبوعہ) — مرتبہ سیّد احمد سعید ہمدانی

مصنّف کی دوسری کتابیں

۱۔ تذکرۂ غوث وقطب :۔ حالات ومناقب حضرت سید محمد وراثت حسین شاہ رح

حضرت حاجی عبد اللہ شاہ بادشاہ غوث وقطب رح

۲۔ ترجمہ وشرح حزب البحر :۔ افادات حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح

حضرت شاہ ولی اللہ رح و حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رح

۳۔ عصر جدید اور مسائل تصوّف

۴۔ ابدال کون ؟ کیا ؟ اور کیسے ؟

۵۔ ترجمہ وشرح رسالہ روحی حضرت باہو رح

احوال ومقامات حضرت سلطان باہو رح

ملنے کا پتہ :

مکتبہ ہمدانیہ ، کالج روڈ ، نوشہرہ (ضلع خوشاب) پنجاب

لاہور میں تقسیم کار : صوفی فاؤنڈیشن ۔ داتا دربار روڈ ۔ لاہور

مصنّف کی دوسری کتابیں

۱۔ تذکرۂ غوث وقطب: حالات ومناقب حضرت سید محمد درانت حسین شاہؒ
حضرت حاجی عبید اللہ شاہ بادشاہ غوث وقطبؒ

۲۔ ترجمہ وشرح حزب البحر: از افادات حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ
حضرت شاہ ولی اللہؒ و حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

۳۔ عصر جدید اور مسائل تصوف

۴۔ ترجمہ وشرح رسالہ روحی حضرت باہوؒ

۵۔ حالات ومقامات حضرت سلطان باہوؒ

۶۔ سلوک طریقت

کالج روڈ، نوشہرہ (ضلع خوشاب) پنجاب